اخبار الرایہ

شمارنمبر 604

(17-جون-2026)

(عربی سے ترجمہ)

ایران کے ساتھ مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کرنے سے امریکہ کے نقصانات 2
اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران روس پر یوکرین کے حملے 7
اے مسلم افواج، تم جوابدہ ہو 14
ریاستِ خلافت میں انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشنز ٹیکنالوجی (اطلاعات ومواصلات کی ٹیکنالوجی) 16
حزب التحریر آپ کو ایک عظیم شرعی فریضے اور بلند مرتبت اعزاز کی طرف پکار رہی ہے 18
لفظی گولہ باری اور جغرافیائی سیاسی حقائق کے درمیان: ترکیہ اور یہودی وجود کے تعلقات کس سمت جا رہے ہیں؟............ 19
جنوبی کوریا میں پچاس افریقی وزراء کی میزبانی اس کے معاشی اور علاقائی وزن کی عکاس ہے 24
عراق کے عوام کی تکالیف کا حل اس کے موجودہ نظام سے نہیں نکلے گا 27
فدان کا علاقائی سیکورٹی ڈھانچہ: مسلم افواج اور دولت کے ذریعے یہودی وجود کے تحفظ کا امریکی منصوبہ! 28
تائیوان: چینی اشتعال انگیزی اور امریکی الجھن کے درمیان 31
جنوبی یمن میں عوامی احتجاج: عوام پر ظلم وستم جاری رکھنے والے حکمرانوں کی پالیسیوں کا نتیجہ 36
ہمیں اپنے بچوں میں کفر کے سرکردہ لیڈروں: امریکہ اور برطانیہ کے خلاف دشمنی پیدا کرنی چاہیے 41

ہم، اخبار الرایہ کی انتظامیہ، نئے ہجری سال 1448ھ کی آمد کے موقع پر پوری امتِ مسلمہ کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اسے اپنی نصرت سے نوازے اور زمین پر اس (دین) کو تمکن اور استحکام عطا فرمائے۔ دشمنوں کی منظم دشمنی اور حملوں کے نتیجے میں امت جس زبوں حالی کا شکار ہو چکی ہے اسے یاد دلاتے ہوئے، ہم امت کو پکارتے ہیں کہ وہ اپنے ارادوں کو مضبوط کرے اور ہمارے ساتھ مل کر نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کی جدوجہد کرے۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ یہی وہ ادارہ ہے جو امت کو اس کا سابقہ مقام "بہترین امت" کے طور پر واپس دلائے گا جو بنی نوع انسان (کی رہنمائی) کے لیے پیدا کی گئی ہے، اور اسے اس قابل بنائے گا کہ وہ اپنی سرزمینوں سے کفار اور استعماری مغربی ممالک کے اثر و رسوخ کا خاتمہ کر سکے۔

اداریہ

ایران کے ساتھ مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کرنے سے امریکہ کے نقصانات

تحریر: استاد اسعد منصور

(ترجمہ)

11 جون 2026 کو، امریکی صدر ٹرمپ نے بیان دیا، "مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے یہ سنا ہے یا نہیں، لیکن ہم نے آج ایران کے ساتھ جنگ ختم کر دی ہے۔ وہ اس بات پر راضی ہو گئے ہیں کہ وہ کبھی ایٹمی ہتھیار حاصل نہیں کریں گے، یہ وہ چیز تھی جس پر ہم نے اصرار کیا تھا۔ سارا مقصد یہی تھا؛ ہمارے ہدف کا 95 فیصد یہی تھا، اور انہوں نے (امریکی مذاکرات

کاروں نے) اسے ممکنہ حد تک بھرپور طریقے سے انجام دیا ہے"۔ ان کے یہ ریمارکس ان کے اس اعلان کے چند گھنٹے بعد سامنے آئے کہ امریکی مذاکرات کاروں نے ایران کے ساتھ جنگ کے حوالے سے ایک "عظیم سودا" (گرینڈ بارگین) حاصل کر لیا ہے، اور یہ کہ معاہدے پر دستخط ہوتے ہی آبنائے ہرمز کو باضابطہ طور پر فوری طور پر دوبارہ کھول دیا جائے گا، جو کہ بہت جلد، شاید ہفتے کے آغاز میں، یورپ میں ہو سکتا ہے۔ ان کے نائب صدر دستخطوں کی تقریب میں امریکہ کی نمائندگی کر سکتے ہیں۔

دریں اثنا، ایرانی وزارتِ خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے اعلان کیا کہ ان کے ملک نے "امریکہ کے ساتھ معاہدے پر دستخط کرنے کے حوالے سے ابھی تک کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا ہے، جبکہ مذاکراتی متن کا ایک بڑا حصہ مکمل ہو چکا ہے"۔ ایرانی پاسدارانِ انقلاب سے وابستہ خبر رساں ایجنسی 'تسنیم' نے تبصرہ کیا، "ٹرمپ نے گزشتہ دو مہینوں میں 38 مرتبہ ایران کے ساتھ معاہدے کے قریب پہنچنے کا اعلان کیا۔ ان کے بیانات کو تہران کی جانب سے کسی سرکاری موقف کے سامنے آنے تک احتیاط کے ساتھ لینا چاہیے"۔

یہ بیانات ٹرمپ کی جانب سے ایک بڑے حملے کی دھمکیوں کے بعد سامنے آئے ہیں۔ وہ اپنے غیر متوقع رویے کے لیے جانے جاتے ہیں، اور تاریخ میں کسی بھی صدر نے اپنی ذات اور اپنے ملک کے موقف پر اس قدر وقار اور عوامی اعتماد نہیں کھویا جتنا کہ انہوں نے۔ انہوں نے اپنی انتظامیہ کو بھی انتشار اور ابتری کا شکار کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں وہ کوئی مستقل موقف اختیار کرنے کے قابل نہیں رہے۔ کسی بھی ریاست کا سربراہ حالات و واقعات، مذاکرات، اور فوجی و سیاسی اقدامات کے بارے میں اس وقت تک روزانہ، یا گھنٹہ وار بیانات جاری نہیں کرتا جب تک کہ صورتحال اپنی حتمی شکل اختیار نہ کر لے۔

12 جون 2026 کو امریکی نیوز ویب سائٹ 'ایکسیاس' نے ایک امریکی اہلکار کے حوالے سے بتایا کہ اس معاہدے کے نکات میں لبنان سمیت 60 دنوں کے لیے جنگ بندی میں توسیع؛ اس دوران جوہری مذاکرات کی بحالی؛ بغیر کسی فیس کے آبنائے ہرمز کو فوری طور پر دوبارہ کھولنا؛ 30 دنوں کے اندر جہاز رانی کی آمد و رفت کو جنگ سے پہلے کی سطح پر بحال کرنا؛ ایران پر عائد امریکی پابندیوں کا خاتمہ؛ جوہری ہتھیار حاصل نہ کرنے کے ایرانی عزم کی ضمانت؛ اقوام متحدہ کے معائنہ کاروں کی نگرانی میں ایران کے اندر یورینیم کی افزودگی کی سطح میں کمی؛ ایران کو عارضی طور پر پابندیوں سے استثنیٰ دینا تاکہ وہ 60 دنوں تک تیل برآمد کر سکے؛ اور تہران کی جانب سے خیر سگالی کے اظہار کی صورت میں بتدریج پابندیوں

میں نرمی شامل ہیں۔ واشنگٹن انسانی ہمدردی کی بنیاد پر اشیاء کی خریداری کے لیے ایرانی فنڈز کو اقساط میں رہا کرنے پر بھی اصرار کر رہا ہے۔

ان نکات کے ساتھ امریکہ خود کو اپنا ہدف حاصل کرنے والا نہیں سمجھتا، اور جس چیز پر دستخط کیے جائیں گے وہ حتمی معاہدہ نہیں بلکہ محض ایک مفاہمت کی یادداشت ہے۔ ٹرمپ جس بات پر ڈینگیں مار رہے ہیں، یعنی ایران کو ایٹمی ہتھیاروں کے حصول سے روکنا، وہ ان کے لیے کوئی کارنامہ نہیں ہے، کیونکہ ایران اب بھی اپنے بانی خمینی کے اس فتوے پر قائم ہے جس میں ایٹمی ہتھیاروں کے قبضے کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مزید برآں، آبنائے ہرمز پہلے ہی کھلی تھی، اور یہ ٹرمپ کی جارحیت ہی تھی جس کی وجہ سے ایران نے اس پر کنٹرول حاصل کرنا شروع کیا۔ ٹرمپ یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ انہوں نے وہاں فتح حاصل کی ہے جہاں وہ حقیقت میں ناکام رہے ہیں، وہ جنگ میں اپنے اصل مقصد سے آنکھیں چرا رہے ہیں جو کہ ایران کو امریکہ کی ایک مطیع ریاست بنانا تھا، لیکن اس کے برعکس امریکہ اور ایران کے درمیان ایک مکمل کٹاؤ پیدا ہو گیا ہے۔

ٹرمپ جنگ کی طرف لوٹنے کے بجائے معاہدے پر دستخط کرنے کے لیے زیادہ بے تاب ہیں، اگرچہ وہ مسلسل جنگ کی دھمکیاں دیتے ہیں اور سخت حملے کرنے کی باتیں کرتے ہیں۔ یہ ایران پر دباؤ ڈالنے کا ایک ذریعہ ہے تاکہ وہ کسی ڈیل پر راضی ہو جائے، اور ایسا ہی ہوا، جس نے انہیں جھکنے اور مفاہمت کی یادداشت پر دستخط کرنے پر مجبور کیا۔ یہ امریکہ کی ناکامی کا ثبوت ہے۔ اس کے بعد مذاکرات شروع ہوں گے، اور دو ماہ کے اندر حتمی معاہدہ متوقع ہے۔ تاہم، یہ عمل طویل ہو سکتا ہے، اور ممکن ہے کہ اس مدت کے اندر معاہدہ طے نہ پا سکے، یا اس میں تبدیلیاں اور ترامیم ہو جائیں، کیونکہ اس میں کھینچا تانی اور سمجھوتوں کا سلسلہ چلے گا۔

تاہم، ٹرمپ اپنے پیدا کردہ اس بھنور سے خود کو نکالنا چاہتے ہیں، کیونکہ وہ اپنے بنیادی مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ صرف ایران پر توجہ مرکوز نہیں رکھنا چاہتے، کیونکہ اس مسئلے نے امریکہ کو الجھائے رکھا اور انہیں چین جیسے دیگر اہم مسائل پر توجہ دینے سے روکے رکھا۔ وہ ایران کے معاملے میں الجھے ہوئے ہی چین کے دورے پر گئے، جہاں ان کی توجہ ایران پر دباؤ ڈالنے پر مرکوز تھی، لیکن چین نے انہیں مایوس کر دیا۔ وہ چین کے ساتھ دیگر حل طلب مسائل پر توجہ دینے سے قاصر رہے، جن میں سب سے اہم ہتھیاروں کی تیاری کو محدود کرنا ہے، خاص طور پر ایٹمی وار ہیڈز والے بین البراعظمی بیلسٹک میزائل جو امریکہ کے لیے خطرہ ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ معاشی مسائل،

بالخصوص تجارتی توازن، جو کہ بہت زیادہ چین کے حق میں ہے۔ ٹرمپ روس اور یوکرین میں اس کی جنگ کے مسئلے کو بھی حل نہ کرسکے، اور نہ ہی وہ ایسے معاہدوں تک پہنچ سکے جو روس اور چین کے ساتھ اس کے تعلقات، دونوں کا احاطہ کرتے ہوں۔ مزید برآں، ٹرمپ یورپی مسئلے اور گرین لینڈ پر قبضے کی اپنی کوششوں کے ساتھ ساتھ کینیڈا کو ضم کرنے کی اپنی کوششوں پر بھی توجہ نہ دے سکے۔

ایسا لگتا تھا جیسے ٹرمپ ایران پر فیصلہ کن فتح حاصل کرنا چاہتے تھے اور وہاں اپنے مقاصد کو پورا کرنا چاہتے تھے، بالکل ویسے ہی جیسے انہوں نے پاناما اور وینزویلا میں کیا تھا، تاکہ ان دیگر مسائل پر اپنی پوزیشن مضبوط کرسکیں اور اپنے اہداف کے حصول میں آسانی پیدا کرسکیں۔ انہوں نے یہ توقع نہیں کی تھی کہ ایران مزاحمت کرے گا اور وینزویلا اور پاناما کی طرح ایک مطیع ریاست بننے سے انکار کردے گا، اس طرح ان ممالک میں روسی اور چینی سرگرمیوں کو نقصان پہنچائے گا۔ ٹرمپ غزہ میں جنگ بندی کا معاہدہ کرانے میں اپنی کامیابی کی وجہ سے خوش فہمی کا شکار تھے، اور خود کو دنیا کا وہ واحد شخص سمجھتے تھے جو یہودی وجود پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ٹرمپ نے غزہ کے لیے ایک 'امن بورڈ' تشکیل دیا جو مصر، ترکی، پاکستان، انڈونیشیا، سعودی عرب، قطر، متحدہ عرب امارات، بحرین اور دیگر ممالک کے حقیر حکمرانوں پر مشتمل تھا۔ وہ ان تمام باتوں کو ایک بڑی کامیابی سمجھتے تھے، ایک مور کی طرح اکڑ کر چلتے ہوئے انہوں نے 28 فروری 2026 کو ایران پر حملہ کیا، جس کا مقصد چند دنوں میں اپنا ہدف حاصل کرنا تھا۔ تاہم، انہیں ایک سخت رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا، جس سے ایک ایسی ایرانی الجھن پیدا ہوئی جسے وہ شدت سے حل کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ دیگر مسائل کے ساتھ آگے بڑھ سکیں۔ انہیں خوف تھا کہ ان کی اپنی پیدا کردہ یہ الجھن ان کی اور ان کے ملک کی کمزوری کا باعث بن جائے گی، جس کے نتیجے میں آئندہ نومبر میں ہونے والے کانگریس کے وسط مدتی انتخابات میں ان کی پارٹی کو شکست ہوگی اور نتیجتاً دو سال بعد صدارتی انتخابات میں ریپبلکن امیدوار ہار جائے گا۔ ٹرمپ اوباما کے معاہدے سے بہتر معاہدہ حاصل کرنے کے حوالے سے ایک نفسیاتی الجھن (کمپلیکس) کا شکار ہیں، جبکہ یہ واضح ہے کہ ان کا معاہدہ اوباما کے معاہدے سے کمتر ہے۔

ٹرمپ کے لیے ایک اور دھچکا ایران کی جانب سے بالمشافہ دستخطوں کے لیے وفد بھیجنے سے انکار کی صورت میں سامنے آیا۔ معاہدے پر الیکٹرانک طریقے سے دستخط کیے جائیں گے، کیونکہ ایران نہیں چاہتا کہ اس کے وفد کو دستخط کے بعد امریکی وفد سے ہاتھ ملاتے ہوئے دیکھا جائے۔ ایران امریکیوں کو دشمن سمجھتا ہے، جنہوں نے اس پر جارحیت کی، اس

کے سپریم لیڈر اور دیگر اہم شخصیات کو قتل کیا۔ ایران یہ نہیں دکھانا چاہتا کہ اس نے ان کے ساتھ مفاہمت کرلی ہے اور ان کے ذلت آمیز مطالبات کے آگے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

ٹرمپ 14 جون 2026 کو معاہدے پر دستخط کرنے کے خواہشمند تھے کیونکہ یہ ان کی 80 ویں سالگرہ کا دن ہے۔ ایران ان کی اس خواہش سے آگاہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اس نے اس تاریخ کو دستخط ہونے کی تصدیق نہیں کی، جیسا کہ اس کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے بیان دیا۔ ایران انہیں خوش کرنا نہیں چاہتا تاکہ یا تو بدلہ لے سکے یا ان سے مراعات حاصل کر سکے۔

ٹرمپ کے خادم، پاکستانی وزیراعظم شہباز شریف نے 13 جون کو ایکس (ٹویٹر) پلیٹ فارم کے ذریعے تصدیق کی کہ، "ہم امن معاہدے کے پہلے سے کہیں زیادہ قریب ہیں۔ اگلے 24 گھنٹوں میں حتمی شکل دیے جانے کے امکان کے ساتھ، پاکستان اس کے فوراً بعد امن معاہدے پر الیکٹرانک دستخطوں کی تیاری کر رہا ہے، جس کے بعد اگلے ہفتے تکنیکی سطح کے مذاکرات ہوں گے"۔

یہ امریکہ کی اصل حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے: جو کوئی بھی اس کے خلاف ثابت قدم رہتا ہے، قطع نظر اس کے کہ امریکہ کون سے ہتھیار استعمال کرتا ہے اور کتنا نقصان پہنچاتا ہے، وہ امریکہ کو شکست دے سکتا ہے۔ اس بات کو لوگوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے کہ وہ عملی اقدام کریں اور خطے میں امریکی اڈوں کی بندش کا مطالبہ کریں تاکہ امریکہ کی فوجی موجودگی ختم ہو، اور اس کے ذلیل غلاموں کا تختہ الٹ کر اس کے سیاسی اثر و رسوخ کے خاتمے کی راہ ہموار کی جائے، اور خلافتِ راشدہ کے قیام کی راہ ہموار کی جائے جو امریکی صدر کی ناک، اس کے تکبر اور اس کے فیصلوں کو اسی طرح خاک میں ملا دے گی جیسے اس کے پیشرو رومی شہنشاہوں کی ناک کل خلافت نے خاک میں رگڑی تھی۔

سوال کا جواب

اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران روس پر یوکرین کے حملے

(ترجمہ)

سوال: الجزیرہ نیٹ نے 2026/6/10 کو رپورٹ کیا: (یوکرینی صدر زیلنسکی نے بدھ کے روز اعلان کیا کہ ان کے ملک نے گزشتہ رات ماسکو سے سینکڑوں کلومیٹر مشرق میں واقع ایک روسی فوجی تنصیب کو یوکرین کے بنے ہوئے میزائلوں سے نشانہ بنایا، اس دعوے کو روس نے بھی تسلیم کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ اس نے ملک کے مختلف حصوں میں سینکڑوں یوکرینی ڈرونز کو فضا ہی میں ناکارہ بنا دیا ہے...)

۔سی این این عربی نے 2026/6/6 کو رپورٹ کیا تھا: (یوکرین نے ہفتے کی صبح سویرے سینٹ پیٹرزبرگ پر ڈرونز کے ذریعے بڑے پیمانے پر حملہ کیا، یہ حملہ شہر میں روسی صدر ولادیمیر پیوٹن کی میزبانی میں منعقد ہونے والے بڑے اقتصادی فورم کے اجلاس کے آخری دن کیا گیا۔ روس کے دوسرے بڑے شہر کو "بڑے پیمانے پر فوجی ڈرونز کے حملے" کا نشانہ بنایا گیا)۔ یوکرین کا یہ حملہ روس کی جانب سے اسی شہر میں منعقدہ بڑے اقتصادی فورم کے آخری دن ہوا، جو ڈیوس فورم کے مشابہ ہے۔ روس کے اندر گہرائی تک پہنچنے والے یوکرین کے ان اہم حملوں کے کیا اثرات ہیں، جو اس کے دوسرے اہم ترین شہر سینٹ پیٹرزبرگ میں کانفرنسوں کے دوران بھی جاری رہے؟ کیا یہ روس کی ایک نئی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے،

یعنی ایک ایسی عالمی طاقت جو بڑی طاقتوں میں شمار ہوتی تھی، اب ایک درمیانے درجے کی طاقت اور اثر و رسوخ رکھنے والے ملک میں تبدیل ہو رہی ہے؟۔

جواب: مندرجہ بالا سوالات کے جواب کے لیے، ہم درج ذیل امور کا جائزہ لیں گے:

1- اس حملے کے حوالے سے... الجزیرہ نیٹ نے 10/6/2026 کو جو کچھ شائع کیا اور سی این این عربی نے 6/6/2026 کو جو رپورٹ دی، وہ اس حقیقت کی واضح عکاسی ہے جس میں روس آج خود کو پاتا ہے، بالخصوص روس کے دوسرے اہم ترین شہر میں اقتصادی فورم کے اجلاس کے دوران اس پر ہونے والے یوکرینی حملے!

مزید برآں، یہ حملہ نہ صرف فورم کے اختتام پر ہوا بلکہ اس کے آغاز میں بھی دیکھنے میں آیا![یوکرینی افواج نے شہر میں منعقدہ بین الاقوامی اقتصادی فورم کے آخری دن سینٹ پیٹرزبرگ پر گولہ باری کی...روسی بین الاقوامی اقتصادی فورم کے پہلے دن، بدھ کو، ایک آئل ریفائنری پر حملے کے بعد قدیم شہر کے اوپر آسمان میں دھوئیں کے بادل بلند ہوئے۔ تقریب میں پہنچنے والے مہمانوں کا استقبال پس منظر میں سیاہ دھوئیں کے ایک ستون نے کیا... مڈل ایسٹ، 6/6/2026]۔

2-اس قسم کا بڑے پیمانے پر اور طاقتور حملہ، جو نہ صرف یوکرین کے ساتھ ملحقہ سرحدوں بلکہ روس کی گہرائی میں واقع کلیدی تنصیبات اور شہروں کو نشانہ بناتا ہے، اور وہ بھی روس کے ایک بڑے ایونٹ—سینٹ پیٹرزبرگ بین الاقوامی اقتصادی فورم—کے موقع پر جس میں صدر پیوٹن بذاتِ خود شریک ہیں، روس کے لیے ایک سنگین چیلنج کی نمائندگی کرتا ہے۔ یوکرین نے جنگ کے آغاز میں روس کے ساتھ اپنی سرحدوں سے باہر کسی بھی قسم کے حملے کرنے سے گریز کیا تھا۔ پھر اس نے سرحد پار حملے شروع کیے اور بتدریج اپنے حملوں میں تیزی لائی، یہاں تک کہ وہ خود کریملن تک جا پہنچا اور سائبیریا کی گہرائی میں واقع فضائی اڈوں کو نشانہ بنایا، جس سے روس کے اسٹریٹجک طیارے تباہ ہوئے، جن میں "وائٹ سوان" بمبار طیارے بھی شامل ہیں جو روس کی جوہری تثلیث (nuclear triad) کا حصہ ہیں۔ قریب اور دور کے روسی شہروں پر اس کے حملے نہیں رکے۔ اب وہ دارالحکومت ماسکو اور سینٹ پیٹرزبرگ پر حملے کر رہا ہے، جو روس کے لیے بے پناہ اہمیت کا حامل شہر ہے اور زار کے دور کے خاتمے اور اشتراکی دور کے آغاز میں دارالحکومت رہا ہے۔ یہ حملہ روس کے لیے ایک انتہائی اہم بین الاقوامی ایونٹ کے دوران ہوا، ایک ایسا فورم جسے ڈیوس فورم کی طرز پر بنایا گیا ہے، جس کا مقصد بین الاقوامی سطح پر بالخصوص معاشی میدان میں روس کی اہمیت کو اجاگر کرنا تھا۔ روس کے لیے یہ بین الاقوامی اقتصادی

تقریب اس کی عظمت کے احساس کی علامت ہے۔ چنانچہ، فورم کے آغاز پر یوکرین کا پہلا حملہ، اس کے اختتام پر دوسرا، اور اس کے بعد ہونے والے حملے، سب روسی عظمت کے اس احساس کو چکنا چور کرنے کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے یوکرین کے پیچھے امریکہ یا یورپ جیسی کوئی طاقتور قوت کھڑی ہے جو روس کو یہ بتانا چاہتی ہے کہ وہ معاشی طور پر ایک غیر اہم قوم ہے اور اس شہر کی حفاظت کرنے سے قاصر ہے جو آپ میں عظمت کے ایسے جذبات پیدا کرتا ہے۔

3- یہ درست ہے کہ روس یوکرین پر حملے کر رہا ہے، (روس نے اتوار کے روز، چار سال سے جاری جنگ کے آغاز سے اب تک کے شدید ترین حملوں میں سے ایک میں کیف اور گردونواح پر سینکڑوں ڈرونز اور میزائلوں کی بوچھاڑ کی، اور دارالحکومت کے قریب ایک 'اوریشنک' (Oreshnik) ہائپرسونک میزائل داغا۔ رائٹرز، 24/5/2026)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے پر حملے کر رہے ہیں، اور حالیہ یوکرینی حملہ بھی انہی جوابی کارروائیوں میں سے ایک ہے۔ تاہم، ان جوابی حملوں کی حقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ روس اس بڑی طاقت کے مقام سے گر چکا ہے جس سے یوکرین جیسے ممالک ڈرتے تھے! روس اپنے گرد رعب و دبدبے کے ایک ایسے ہالے میں گھرا رہتا تھا جو یوکرین کو اس پر حملہ کرنے سے روکتا تھا۔ درحقیقت، جنگ کے آغاز میں، یوکرین نے روس کے شدید ردعمل کے خوف سے کریمیا پر حملے سے گریز کیا تھا جسے روس نے 2014 میں اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

4- پھر روس کا یہ وقار جنگ کے مہینوں کے دوران بتدریج ختم ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ مکمل طور پر مٹ گیا، جس نے روس کی گہرائیوں، اس کی مقدس ترین علامتوں، اس کے پرتعیش شہروں اور انتہائی حساس اوقات میں یوکرینی حملوں کی راہ ہموار کی۔ ان دونوں حملوں کے دوران، اس سے پہلے اور بعد کے روسی بیانات اور موقف کا گہرا جائزہ روس کی شدید کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ روس بلاشبہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یوکرین امریکی حمایت سے اس پر حملے کر رہا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ امریکہ کی قربت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پیوٹن کے بیانات اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں:

الف- (گزشتہ روز، صدر ولادیمیر پیوٹن نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اور یوکرین میں تصفیے کو آگے بڑھانے کے لیے ان کی کوششوں کے لیے اپنے احترام کا اظہار کیا، اور ولودیمیر زیلنسکی کے ساتھ ان کے نمٹنے کے انداز کی تعریف کی۔ تصفیے کی کوششوں کے حوالے سے، روسی صدارتی معاون یوری اوشاکوف نے حال ہی میں اعلان کیا کہ وہ اپنے امریکی ہم منصب اسٹیون وٹکوف اور ٹرمپ کے داماد جیرڈ کشنر کے ساتھ رابطے میں ہیں، اور ان کے دورہ روس کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ RT، 6/6/2026)۔

ب-(پیوٹن نے وضاحت کی کہ روس "یوکرین کے ساتھ پرامن ذرائع سے، خاص طور پر ان امور کی بنیاد پر جن پر ہم نے اینکریج میں صدر ٹرمپ کے ساتھ ملاقات میں تبادلہ خیال کیا تھا، ایک معاہدے تک پہنچنے کے لیے تیار اور مائل ہے۔" روسی صدر نے کہا کہ اینکریج میں مذاکرات کے دوران، روس کے سامنے ملک کی جانب سے کچھ مراعات دینے کے امکان سے متعلق مسائل پیش کیے گئے تھے۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ "جہاں تک تصفیے کے ان حلوں کا تعلق ہے جن پر ہم نے اینکریج میں بات کی تھی، روس ان سے اتفاق کرتا ہے۔" پیوٹن نے مزید کہا، "یہ ضروری ہے کہ یوکرینی فریق بھی ان تصفیہ طلب حلوں پر اتفاق کرے۔ تب یہ تنازع جلد ہی اپنے قدرتی انجام کو پہنچ جائے گا۔" RT، 4/6/2026)۔

5- یہ سب کچھ عسکری، اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں روس کے زوال اور کمزوری کی حد کو ظاہر کرتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف- جہاں تک عسکری پہلو کا تعلق ہے، 2022 میں یوکرین کی جنگ شروع ہونے کے بعد سے، روس یوکرین کی کامیاب فوجی کارروائیوں میں اپنے درجنوں اعلیٰ سطح کے جنرلز سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ روسی فوج نے شدید نقصانات اٹھائے ہیں، جس کا ثبوت باخموت شہر کے گرد ہونے والی کٹھن لڑائیاں ہیں، اور اس سے پہلے ماریوپول کی جنگ، جہاں یوکرینی جنگجوؤں نے ایک طویل عرصے تک اسٹیل پلانٹ میں خود کو مورچہ بند کیے رکھا۔ اس سے پہلے کیف پر روس کے حملے کی عبرت ناک ناکامی، روسی فوج کو پہنچنے والی سبکی، یوکرین کی گہرائی سے اس کی واپسی، اور پھر مشرق پر توجہ مرکوز کرنے کا اس کا فیصلہ، اس کمزوری کے واضح ثبوت ہیں۔ روس نے اپنے بحرِ اسود کے بیڑے (Black Sea Fleet) کے 40 فیصد جہاز بھی کھو دیے، اور یوکرینی سرحد سے ہزاروں کلومیٹر دور شہروں میں اس کے متعدد اسٹریٹجک 'وائٹ سوان' (White Swan) طیارے تباہ کر دیے گئے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سے نقصانات ہوئے۔

ان پسپائیوں، نقصانات اور فیصلہ کن فتح حاصل کرنے میں ناکامی نے عالمی منظرنامے پر ایک نئی حقیقت کو ثابت کر دیا ہے: روسی فوج کسی سپر پاور کی ترجمانی نہیں کرتی۔ وہ یوکرین میں جیت نہیں سکتی، اور امریکی صدر ٹرمپ نے اس پر اس وقت چوٹ لگائی جب انہوں نے کہا کہ جس جنگ کو دو ہفتوں میں حل ہو جانا چاہیے تھا، وہ بغیر کسی فتح کے چار سال سے جاری ہے۔ اس طرح، یوکرینی جنگ نے ایک ایسی حقیقت کو آشکار کر دیا ہے جو اس جنگ سے پہلے عیاں نہیں تھی: روسی فوج کی کمزوری، یا کم از کم یہ کہ اس کی طاقت کسی سپر پاور کے شایانِ شان نہیں ہے، بلکہ یہ بھارت یا پاکستان کی فوج جیسی

ایک درمیانے درجے کی فوجی طاقت کے زیادہ قریب ہے۔ تاہم، روس اب بھی ایک بڑی ایٹمی طاقت ہے، اور اس ایٹمی طاقت کا ابھی تک کسی حقیقی فوجی معرکے میں امتحان نہیں ہوا ہے۔ یوکرینی صدر زیلنسکی نے جنگ کے دوران دعویٰ کیا تھا کہ روسی ایٹمی قوت بڑے تکنیکی مسائل کا شکار ہے، جو روسی ایٹمی طاقت کی اصل حقیقت کے بارے میں شدید شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے، حالانکہ یہ روس کی بین الاقوامی عظمت کا آخری ستون ہے۔

ب- جہاں تک معاشی پہلو کا تعلق ہے، تو کوئی بھی ملک اس وقت تک سپر پاور نہیں بن سکتا جب تک وہ معاشی طور پر کمزور ہو، اور آج کے روس کی یہی صورتحال ہے۔ اپنے وسیع و عریض رقبے اور وافر مقدار میں دستیاب زرعی وسائل، تیل، خام مال اور نایاب معدنیات کے باوجود، اس کی کل معاشی پیداوار زیادہ سے زیادہ صرف 2.5 ٹریلین ڈالر ہے، جو بین الاقوامی سطح پر آٹھویں اور دسویں درجے کے درمیان اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہے۔ یہ چین اور امریکہ سے بہت پیچھے ہے جن کی معاشی پیداوار بالترتیب 20 اور 30 ٹریلین ڈالر کے قریب ہے، جبکہ جرمنی، جاپان، بھارت، برطانیہ اور فرانس جیسے بہت سے دوسرے ممالک معاشی لحاظ سے اس سے آگے ہیں، اور بعض سالوں میں تو اٹلی اور کینیڈا بھی اس سے آگے نکل جاتے ہیں۔

روسی معیشت کا تقریباً تمام تر انحصار توانائی کے وسائل اور خام مال کی برآمدات پر ہے۔ ہتھیاروں کے سوا، دنیا شاید ہی کسی ایسی مخصوص تجارتی شے کے بارے میں جانتی ہو جس کی وجہ سے روس مشہور ہو۔ جب یوکرین جنگ کی وجہ سے یورپی مالیاتی شہ رگ کٹ گئی، روسی تیل و گیس پر پابندیاں عائد کر دی گئیں اور 'نورڈ اسٹریم' پائپ لائنوں کو دھماکوں سے اڑا دیا گیا، تو روسی معیشت ایک کٹھن صورتحال سے دوچار ہو گئی۔ اس نے چین کی طرف رخ کر کے اس بحران سے نکلنے کی کوشش شروع کی، لیکن امریکی پابندیوں اور چین کے ان پابندیوں سے متاثر ہونے کے خوف نے روس کو مجبور کر دیا کہ وہ چین، بھارت اور دیگر خریداروں کو راغب کرنے کے لیے اپنا تیل کم قیمت پر فروخت کرے۔ چار سالہ جنگ کے بعد، روسی دانشوروں کی بڑی تعداد میں بیرون ملک ہجرت، اور یوکرینی محاذ پر رسد کی فراہمی کے لیے معیشت کا عسکری صنعت پر انحصار، روس کی معاشی حالت کو مزید دشوار بنا رہا ہے۔

ج- سیاسی نقطہ نظر سے: 2022 میں یوکرین کی جنگ نے روس پر شدید سیاسی تنہائی مسلط کر دی، جس نے اس کے اور بہت سے ممالک بالخصوص مغربی ممالک کے درمیان ایک بڑی رکاوٹ کھڑی کر دی اور اس کی سرگرمیوں کو محدود کر دیا۔ روس نے اپنے بہت سے بین الاقوامی تعلقات کھو دیے۔ جب امریکہ اور یہودی وجود (اسرائیل) نے ایران پر جنگ

مسلط کی، تو روس نے ایران کو کوئی قابل قدر چیز پیش نہیں کی۔ شاید سب سے اہم تعاون جو اس نے فراہم کیا، وہ سپریم لیڈر علی خامنہ ای کے انتقال پر تعزیت کا عوامی اظہار تھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ایران نے یوکرین جنگ کے دوران روس کو 'شاہد' ڈرونز فراہم کیے تھے، روس امریکہ اور اسرائیل کے بڑے حملوں کے خلاف ایران کی استقامت کو مضبوط بنانے کے لیے کچھ بھی کرتا ہوا نظر نہیں آیا۔ سیاسی طور پر، اگر ایران امریکی مدار سے نکل کر آزادی کی راہ اختیار کرنا چاہے، تو روسی پالیسی کی کمزوری کی وجہ سے اس کا الحاق روس کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اگر روس کے پاس ایک عظیم طاقت کے شایانِ شان سیاسی بصیرت ہوتی، تو وہ پہل کرتا اور امریکہ کی جانب سے یوکرین کو روسی بحرِ اسود کے بیڑے کے جہاز ڈبونے میں مدد دینے کے جواب میں، امریکی جہازوں کو ڈبونے میں ایران کی مدد کرتا، جس سے وہ ایران کے اندر کافی اثر و رسوخ حاصل کر لیتا۔ لیکن اس کی ناکامی اس کی پالیسی کی کمزوری کی تصدیق کرتی ہے اور یہ کہ اس کی پالیسی محض درمیانے درجے کی طاقتوں کی سطح کی ہے، جو کسی ایسے ملک کے شایانِ شان نہیں جس نے اپنی بین الاقوامی حیثیت بہتر بنانے کے لیے یوکرین میں جنگ چھیڑی ہو!

6- خلاصہ یہ ہے کہ روسی عظمت کے محرکات بکھرنا شروع ہو گئے ہیں، اور درحقیقت ان کا زوال شروع ہو چکا ہے۔

بالعموم مغربی ممالک اور بالخصوص امریکہ کے ایماء پر کیے گئے یوکرینی حملے روس کے لیے ایک نازک وقت پر ہوئے، جو سینٹ پیٹرزبرگ بین الاقوامی اقتصادی فورم کے وقت کے ساتھ ہم آہنگ تھے۔ ان حملوں سے پہلے روسی فوج کی کمزوری اور اس کے ان جنگی بحری جہازوں کے ڈوبنے کے واقعات پیش آئے جو روسی عوام کے لیے باعثِ فخر ہیں، جیسے کہ بحرِ اسود کے بیڑے کا فلیگ شپ، بڑا کروزر "ماسکووا"۔ متعدد "وائٹ سوان" طیاروں کے مار گرائے جانے نے روس کی فضائی طاقت کے ایک ستون کو پاش پاش کر دیا ہے۔ بین الاقوامی فورم کی میزبانی کرنے والے شہر پر حالیہ حملہ روسیوں کے لیے ایک واضح یاد دہانی ہے کہ ان کی عظمت کا احساس ان کی معاشی کمزوری کے ساتھ میل نہیں کھاتا۔ درحقیقت، روس ایک ایسی بین الاقوامی تقریب کی میزبانی کر رہا ہے جس کا وہ تحفظ کرنے سے بھی قاصر ہے۔ مزید برآں، بیلاروس کے ساتھ تعلقات کے استثناء کے ساتھ، اس کے بین الاقوامی تعلقات بگڑ رہے ہیں اور لڑکھڑا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ روس کی چین تک رسائی اور نام نہاد روسی-چینی اتحاد بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ چین اپنے تزویراتی (اسٹریٹجک) معاہدے اور برکس (BRICS)، شنگھائی تعاون تنظیم اور دیگر اداروں میں اتحاد کے باوجود بحران کے وقت روس کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ یہ اتحاد بڑی حد تک علامتی ثابت ہوئے ہیں اور زوال و عدم استحکام کے بعد (روسی عظمت کی بحالی) کے لیے کسی حقیقی جوہر سے عاری رہے ہیں۔

آخر میں، اگرچہ کمزوری اور عدم استحکام میں روس مغربی ممالک اور خاص طور پر امریکہ سے بازی لے گیا ہو، لیکن تمام کافر استعماری طاقتیں اپنی اپنی ناکامیوں کا بوجھ خود اٹھائے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ، خلافتِ راشدہ کے قیام کے ساتھ ہی یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی، جو اسلامی ریاست، یعنی نبوت کے نقشِ قدم پر قائم خلافت، کی طاقت کے سامنے شاہانِ فارس اور قیصرِ روم کے زوال کی تاریخ کو ایک بار پھر زندہ کر دے گی۔ یہ قومیں، اگرچہ خلافت کے خاتمے کے بعد دوبارہ سنبھل گئی ہوں گی، لیکن 'القوی العزیز' کی جانب سے وعدہ کردہ خلافت کے قیام کے ساتھ ہی ان کا زوال ناگزیر ہے۔

[وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ] "اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے، وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اپنا جانشین (خلیفہ) بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا۔" (سورۃ النور: 55)

اور اللہ کے سچے اور امین رسول ﷺ نے ہمیں خوشخبری دی ہے کہ یہ خلافت اس جابرانہ دور کے بعد دوبارہ لوٹے گی جس میں ہم جی رہے ہیں: امام احمد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«...ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللَّهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ» "...پھر جابرانہ بادشاہت ہوگی، اور وہ اللہ کے حکم سے جب تک اللہ چاہے گا رہے گی، پھر جب اللہ اسے ختم کرنا چاہے گا تو ختم کر دے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت قائم ہوگی، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے۔" اور یہ ہو کر رہے گا، انشاء اللہ۔

[وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ] "اللہ اپنے معاملے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔" (سورۃ یوسف: 21)

26 ذوالحجہ 1447ھ

12 جون 2026ء

اے مسلم افواج، تم جوابدہ ہو

اے مسلمان افواج کے افسرو اور سپاہیو:

تم اپنے لوگوں کی تکالیف سے اتنے بے نیاز کیوں ہو؟ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ "اللہ کی راہ میں نکلو،" تو تم بوجھل ہو کر زمین سے چمٹ کر کیوں رہ جاتے ہو؟ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ "مبارک سرزمینِ فلسطین کی آزادی کے لیے اٹھو،" تو تم کیوں اپنے کپڑوں میں منہ چھپا لیتے ہو اور منہ موڑ لیتے ہو؟ تم کب تک ہمارے شہداء کے خون کو محض اعداد و شمار سمجھتے رہو گے، اور اپنی کندھوں پر موجود اس عظیم امانت کا بوجھ محسوس کرنا کب شروع کرو گے؟

اللہ کی قسم، تم واقعی جوابدہ ہو، اور خون کا ہر قطرہ اس عظیم دن تمہارا گریبان پکڑے گا جب دل خوف سے مغلوب ہوں گے اور آنکھیں دہشت سے کھلی رہ جائیں گی۔ اس دن کوئی حکمران یا عہدیدار تمہیں ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔ بلکہ تم مر جاؤ گے اور فرشتے تمہاری روحیں قبض کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ﴾

"اور تم ویسے ہی اکیلے ہمارے پاس آگئے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں (دنیا میں) دیا تھا وہ سب تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے، اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملے میں (اللہ کے) شریک ہیں؛ یقیناً تمہارے باہمی تعلقات ٹوٹ گئے اور جن دعووں میں تم مگن تھے وہ سب تم سے گم ہو گئے۔" (سورۃ الانعام: آیت 94)

لہٰذا اس دنیا اور آخرت کی عزت و سربلندی کی طرف آگے بڑھو، اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اس فرمان کو یاد رکھو جس نے فرمایا: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ * إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً أَلِيماً وَيَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئاً وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ**﴾ "اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے چمٹ جاتے ہو؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ حالانکہ دنیا کی زندگی کا فائدہ آخرت کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے * اگر تم (جہاد کے لیے) نہیں نکلو گے تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا، اور تم اسے ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔" (سورۃ التوبہ: آیات 38-39)

ریاستِ خلافت میں انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشنز ٹیکنالوجی

(اطلاعات ومواصلات کی ٹیکنالوجی)

انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشنز ٹیکنالوجی (آئی سی ٹی) کا یہ شعبہ اصل میں کفارِ مغرب نے قائم کیا، پروان چڑھایا اور اسے ترقی دی ہے۔ اس کی بنیادیں، ڈھانچہ اور اصول مغربی عالمی نقطہ نظر اور زندگی کے بارے میں اس کے مخصوص نظریے پر استوار کیے گئے ہیں۔ مغرب نے اسے دولت لوٹنے، اپنا اثر ورسوخ بڑھانے، ذہن سازی کرنے، وفادار ایجنٹ تیار کرنے، زندگی کے مختلف پہلوؤں کو خراب کرنے اور اپنا طرزِ زندگی، رویے اور اخلاقی اقدار مسلط کرنے کے لیے ایک استعماری حربے میں بدل دیا ہے۔ نتیجے کے طور پر، اس کا اثر اکثر فوجی ہتھیاروں سے بھی زیادہ گہرا اور کئی لحاظ سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا ہے۔

چونکہ ریاستِ خلافت کو اس شعبے کی اس کی تمام شاخوں سمیت ضرورت ہے، جو زندگی کے تقریباً ہر پہلو میں گہرائی تک سرایت کر چکے ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسلامی عقیدے سے ماخوذ ایک جامع عوامی پالیسی تشکیل دی جائے اور اس شعبے کی بنیادوں سے دوبارہ تعمیر کی جائے تاکہ یہ زندگی کے بارے میں اسلام کے نقطہ نظر پر مبنی ہو۔ حزب التحریر

نے اپنے ارکان کے ایک ممتاز گروپ کی کوششوں کے ذریعے بالکل یہی کام انجام دیا ہے، جس نے حال ہی میں ایک جامع کتابچہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ہے: "ریاستِ خلافتِ راشدہ میں محکمہ اطلاعات و مواصلات کی ٹیکنالوجی (انفارمیشن اینڈ کمیونیکیشنز ٹیکنالوجی ڈیپارٹمنٹ)۔"

یہ ایک اہم محکمہ ہے جس کا ریاست کے نظم ونسق اور اس کے تعلقات پر براہِ راست اثر پڑتا ہے، جبکہ یہ ریاست کے دیگر محکموں، بالخصوص محکمہ جنگ، محکمہ صنعت، محکمہ داخلی سلامتی اور محکمہ خارجہ کے ساتھ بھی قریبی روابط رکھتا ہے۔

اسی وجہ سے، عمومی طور پر ان ٹیکنالوجیز کو استعمال کرنے والوں اور خصوصی طور پر دعوتِ اسلامی کے علمبرداروں اور مستقبل کے مدبرین پر یہ لازم ہے، جو اللہ کے اذن سے خلافتِ راشدہ کی صورت میں آنے والے تہذیبی منصوبے کے استقبال کی تیاری کر رہے ہیں، کہ وہ اس تحریر کو پڑھنے، سمجھنے اور اس شعبے سے متعلق احکامات کے بارے میں لوگوں میں شعور بیدار کرنے میں جلدی کریں۔ اس سے عملی طور پر ڈیجیٹل خودمختاری کے حصول میں آسانی ہوگی، جو قومی سلامتی کے ستونوں میں سے ایک ہے، اور ہمیں استعماری کافر طاقتوں کی طرف سے مسلط کردہ ہر قسم کے تکنیکی انحصار سے خود کو آزاد کرنے کے قابل بنائے گی۔

ایسا کرنے سے ہم معلومات اور اس کے ذرائع، اس کے استعمال کے میدانوں، سافٹ ویئر اور اس کے اطلاقات، ٹیکنالوجی اور اس کے استعمال، الیکٹرانکس اور ان کے خام مال، معدنیات اور سپلائی چینز، اور یہاں تک کہ سیاروں اور ان کے مدار کے نظاموں پر بھی کنٹرول حاصل کر لیں گے۔ یہ چیزیں اب ایک مکروہ سرمایہ دارانہ نظام کی اجارہ داری میں نہیں رہیں گی جو لوگوں کو غلام بناتا ہے اور ان کے ساتھ مادی منافع کی مساوات میں محض اعداد و شمار کے طور پر سلوک کرتا ہے۔ اس کے بجائے، ہم اس بات کو یقینی بنانا چاہتے ہیں کہ ٹیکنالوجی انسانیت کو اس کا وقار اور انسانی قدر و قیمت واپس لوٹائے، کیونکہ ہم ایک ایسے پیغام (رسالت) کے علمبردار ہیں جس کے سپرد اللہ کے اذن سے انسانیت کا مستقبل کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾"اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (سورۃ الانبیاء: آیت 107)

حزب التحریر آپ کو ایک عظیم شرعی فریضے اور بلند مرتبت اعزاز کی طرف پکار رہی ہے

اے مسلمانو، اے نسلِ انسانی کے لیے پیدا کی گئی بہترین امت کے بیٹوں اور بیٹیوں: حالات انتہائی نازک موڑ پر پہنچ چکے ہیں، اور خشکی و تری میں فساد برپا ہو چکا ہے۔ آپ ایک تنگی اور مصیبت زدہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اور یہ سب صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت سے آپ کے منہ موڑنے، آپ کے اقتدار کی عدم موجودگی اور آپ کی ریاست کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ اس کے نتیجے میں، آپ کے دشمن کو آپ پر غلبہ حاصل ہو گیا ہے، جو قتل و غارت، دربدری اور آپ کی مقدسات کی پامالی کے ذریعے آپ کو شدید تکالیف میں مبتلا کر رہا ہے۔

لہٰذا، اس امت کے بیٹوں اور بیٹیوں پر یہ لازم ہے، جن کے آباؤ اجداد نے کبھی دنیا کی قیادت کی تھی اور انسانیت تک نور اور ہدایت پھیلانے کے لیے شہداء کی قربانیاں دی تھیں، کہ وہ اپنے دین اور اپنی عزت کے سرچشمے کی طرف واپس لوٹ آئیں اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے خلوصِ دل سے جدوجہد کریں؛ ایک ایسی ریاست جو وقار، آزادی، نور اور ہدایت کا گہوارہ ہو، تاکہ وہ ایک عظیم نسل کے بہترین جانشین ثابت ہو سکیں۔

اس عظیم شرعی فریضے اور بلند مرتبت اعزاز کے لیے حزب التحریر آپ کو پکارتی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے انصار بن جائیں، بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تھے۔ انہوں نے اپنے دلوں اور اپنے اعمال سے اسلام کو اپنایا، اور عطا، قربانی، لگن اور ایثار کی بہترین مثالیں قائم کیں۔ ایسا کر کے، آپ اس دنیا اور آخرت کی خوشیاں اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وہ رضا حاصل کر سکتے ہیں جو ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لله وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ**﴾ "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے پکارنے پر حاضر ہو جایا کرو جب وہ تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے، اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔" (سورۃ الانفال: آیت 24)

لفظی گولہ باری اور جغرافیائی سیاسی حقائق کے درمیان: ترکیہ اور یہودی وجود کے تعلقات کس سمت جا رہے ہیں؟

تحریر: انجینئر وسام الاطرش -(ترجمہ)

ایک طرف ترک صدر اردگان، یہودی وجود کے خلاف اپنے لفظی حملوں میں تیزی لا رہے ہیں، "سرزمینِ موعود کے سراب" سے خبردار کر رہے ہیں اور اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ترکیہ کی سلامتی ہاتے (Hatay) سے نہیں بلکہ حلب، دمشق اور بیروت سے شروع ہوتی ہے (الجزیرہ، 10 جون 2026)، تو دوسری جانب خطہ ایک ایسے منظرنامے کا سامنا کرتا نظر آ رہا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ انقرہ اور تل ابیب مخالف سمتوں میں بڑھ رہے ہیں اور ایک ناگزیر تصادم کی تیاری کر رہے ہیں۔ استعمال کی جانے والی زبان اپنی شدت میں بے مثال ہے، اور باہمی الزامات روایتی تنازعات سے تجاوز کر کے علاقائی مستقبل کے تصورات پر کشمکش کی سطح تک پہنچ گئے ہیں۔

تاہم، سیاست کی تشریح محض تقاریر سے نہیں کی جا سکتی، بلکہ اس کے لیے ریاستی اداروں کے گہرے رجحانات، فوجی اتحادوں اور طویل مدتی جغرافیائی سیاسی پوزیشننگ کو دیکھنا ضروری ہے۔

یہاں اصل سوال یہ پیدا ہوتا ہے: کیا اردگان کے بیانات کسی ایسی سٹریٹیجک تبدیلی کی عکاسی کرتے ہیں جو ترکیہ کو اس نظام سے باہر نکال دے گی جس کا یہودی وجود ایک علاقائی ستون بننے کی کوشش کر رہا ہے؟ یا یہ بیانات داخلی مطالبات

اور جغرافیائی سیاسی پوزیشننگ کے حقائق کے درمیان ایک پیچیدہ تضاد کو سیاسی طور پر سنبھالنے کا ایک ذریعہ ہیں؟ ہم بیان بازی میں اس شدت کو کیسے سمجھ سکتے ہیں جو ان کے وزیر خارجہ، ہاکان فیدان کے اس بیان کے محض ایک ہفتے بعد سامنے آئی ہے جس میں انہوں نے پاکستان سے خلیج تک پھیلے ہوئے ایک علاقائی سلامتی کے ڈھانچے کی بات کی تھی، جس میں ترکیہ، سعودی عرب، مصر اور خلیجی ریاستیں شامل ہوں، اور بعد میں ایران اور یہودی وجود کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ 1967 کی سرحدوں کے اندر فلسطینی ریاست کو تسلیم کر لیں؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیے، ہمیں پہلے تجزیہ کی دو مختلف سطحوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا: سیاسی بیانیے کی سطح اور ریاست کی سٹریٹیجک پوزیشننگ کی سطح۔ ریاستیں اکثر لسانی سطح پر آپس میں ٹکراتی ہیں جبکہ وہ انہی فریم ورک کے اندر کام کرنا جاری رکھتی ہیں جو انہیں متحد کرتے ہیں۔ ترکیہ اور یہودی وجود کے درمیان تعلقات کی حالیہ تاریخ اس تضاد کی ایک واضح مثال پیش کرتی ہے۔

ان کے درمیان تعلقات کا آغاز ایردگان سے نہیں ہوا تھا، اور نہ ہی یہ کبھی محض ایک عارضی سفارتی تعلق تھا۔ ترکیہ نے باضابطہ طور پر 1949 میں یہودی وجود کو تسلیم کیا۔ پھر اس نے 1952 میں نیٹو (NATO) میں شمولیت اختیار کی، جس کے نتیجے میں پینٹاگون کے ہزاروں ماہرین ترکیہ پہنچے، جو اپنے ساتھ ویسٹ پوائنٹ کا فوجی نظریہ لائے۔ یہ نظریہ مسلسل تناؤ اور الرٹ کی حالت برقرار رکھنے کے لیے بیرونی دشمنوں کی تخلیق پر مبنی ہے۔ ترکیہ تب سے امریکہ کا اتحادی اور زیرِ سرپرستی رہا ہے۔

1990 کی دہائی میں، مشرق وسطیٰ میں فوجی تعاون کے سب سے اہم محوروں میں سے ایک انقرہ اور تل ابیب کے درمیان قائم ہوا۔ 1996 میں، انہوں نے وسیع دفاعی معاہدوں پر دستخط کیے جن میں انٹیلی جنس تعاون، فوجی تربیت، ترک فوجی ساز وسامان کی جدید کاری اور مشترکہ مشقیں شامل تھیں۔ یہ محض ایک عارضی سٹریٹیجک قربت نہیں تھی، بلکہ ایک وسیع تر امریکی وژن کا عکس تھا جس نے ترکیہ اور یہودی وجود دونوں کو اس علاقائی نظام کے دو بنیادی ستون قرار دیا تھا جو سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ابھرا تھا۔

خفیہ سفارتی رپورٹس سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ لبنان میں یہودی سرگرمیوں کے کوآرڈینیٹر اور لبنانی معاملے پر موساد کے مرکزی مہرہ یوری لوبرانی، ترکیہ اور یہودی وجود کے درمیان سیکورٹی معاہدے کی تیاری کے پسِ پردہ ان گمنام سپاہیوں میں سے ایک تھے جنہیں منظرِ عام پر نہیں لایا گیا۔ یوری لوبرانی ایران کے معاملات کے بھی ماہر تھے، اور رابن

نے 1990 میں انہیں ترکیہ کے امور کی نگرانی کی ذمہ داری تفویض کی تھی۔ انقرہ اور تل ابیب کے درمیان سٹریٹیجک سودا فوجی تعاون کے ان جامع اقدامات کا نقطہ کمال ہے، جس میں شام اور ایران کی سرحدوں کے ساتھ ساتھ انٹیلی جنس اور نگرانی کے نیٹ ورک کا قیام بھی شامل ہے۔ اگرچہ انقرہ اور تل ابیب کے درمیان فوجی معاہدہ شمعون پیریز کی صدارت کے دوران شلر کی وساطت سے طے پایا تھا، لیکن نیتن یاہو نے شام اور ترکیہ کے درمیان پانی کے بڑھتے ہوئے بحران کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے شام کے خلاف ایک تصادمی رنگ دے دیا۔ وہ یہودی 'ڈیپ اسٹیٹ' کی خواہشات کے عین مطابق شام کو کمزور کرنے کے لیے سرگرمی سے کوشاں تھے، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو یہودی فوجی لٹریچر میں باقاعدہ دستاویزی طور پر محفوظ ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا تھا جب یہودی وجود نے 2003 میں استنبول میں منعقدہ ایک کانفرنس میں اعلان کردہ 'عظیم تر مشرقِ وسطیٰ کے منصوبے' (Greater Middle East Project) کے لیے سنگِ بنیاد کا کردار ادا کیا تھا۔

تاہم، سب سے اہم سوال یہ نہیں ہے کہ کیا 1990 کی دہائی کا اتحاد اب بھی اپنی اصل شکل میں برقرار ہے، بلکہ یہ ہے کہ کیا وہ ساختی حالات واقعی ختم ہو چکے ہیں جنہوں نے اس اتحاد کو جنم دیا تھا؟ اس کا جواب سیاسی بیان بازی کے مقابلے میں بہت کم واضح نظر آتا ہے۔ مارچ 2022 میں یہودی وجود کے صدر اسحاق ہرزوگ نے ترکیہ کا دورہ کیا، جہاں ایردگان نے ان کے لیے سرخ قالین بچھایا اور ان کا استقبال ایک لیڈر اور ہیرو کی طرح کیا!

پھر ستمبر 2023 میں، ایردگان نے اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 78ویں اجلاس کے موقع پر نیویارک میں یہودی وجود کے وزیرِ اعظم نیتن یاہو سے ملاقات کی۔ ترک ایوانِ صدر کی رپورٹ کے مطابق، ایردگان نے نیتن یاہو کے ساتھ بین الاقوامی اور علاقائی مسائل کے علاوہ دونوں فریقین کے درمیان سیاسی و اقتصادی تعلقات اور یہودی-فلسطینی تنازع سے متعلق تازہ ترین پیش رفت پر تبادلہ خیال کیا۔ ایردگان نے ایک پرامن دنیا کے لیے مل کر کام کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس بات کا ذکر کیا کہ ترکیہ اور یہودی وجود کے درمیان تعاون کے شعبوں میں توانائی، ٹیکنالوجی، اختراع، مصنوعی ذہانت اور سائبر سیکیورٹی شامل ہیں۔ یہاں تک کہ وزیرِ توانائی الپارسلان بائراکتار نومبر 2023 میں توانائی کے شعبے میں تعاون پر بات چیت کے لیے تل ابیب کا دورہ کرنے والے تھے، لیکن 'آپریشن طوفانِ اقصیٰ' کے واقعات نے اس غدارانہ منصوبے کی تکمیل کو روک دیا اور اس کے نفاذ کو درہم برہم کر دیا۔

قطع نظر اس کے، ترکیہ اب بھی نیٹو کا ایک کلیدی رکن ہے، اس کی دفاعی صنعتیں اب بھی مختلف درجات تک مغربی تکنیکی اور سیکورٹی ماحول میں مدغم ہیں، اور اس کی سیاسی قیادت اپنی قومی سلامتی کے لیے 'بحرِ اوقیانوس کے اتحاد' (Atlantic Alliance) کی اہمیت پر بطور ایک بنیادی فریم ورک مسلسل زور دیتی رہتی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہودی وجود کے خلاف ایردگان کے آتشیں بیانات ان کے اس عوامی خیر مقدم کے ساتھ سامنے آئے جو انہوں نے انقرہ میں ہونے والی آئندہ نیٹو سربراہی کانفرنس میں امریکی صدر ٹرمپ کی شرکت کے حوالے سے کیا۔ وہ ٹرمپ کی موجودگی کو اس صلیبی اتحاد کے استحکام کے لیے ایک اہم قدم قرار دے رہے ہیں (انادولو ایجنسی، 10 جون 2026)۔ یہ محض رسمی پروٹوکول کا معاملہ نہیں ہے۔

جغرافیائی سیاست کی دنیا میں، کسی ملک کی حقیقی ترجیحات ان اتحادوں سے ظاہر ہوتی ہیں جنہیں وہ ہنگامہ خیز حالات میں برقرار رکھتا ہے، نہ کہ اس بیان بازی سے جو وہ عوامی فورمز پر استعمال کرتا ہے۔ جہاں ترکیہ ایک طرف مغربی سیکورٹی ڈھانچے کے ساتھ اپنی وابستگی کی توثیق کرتا ہے، وہیں دوسری طرف یہودی وجود مشرقِ وسطیٰ کے حوالے سے مغربی حکمتِ عملی کا ایک مستقل جزو بنا ہوا ہے۔

دریں اثنا، ترک انٹیلی جنس کے سربراہ ابراہیم کالن نے مصر کا سفر کیا، اور وہ بظاہر غزہ میں رونما ہونے والے واقعات سے بے نیاز نظر آئے۔ مگر کیوں؟ تاکہ حماس کے ساتھ اس کے ہتھیار ڈالنے (غیر مسلح ہونے) کے بارے میں مذاکرات کیے جائیں، اور اس بات پر زور دیا جائے کہ مزاحمت کو غیر مسلح کرنے کے ٹرمپ کے منصوبے پر عمل درآمد ہی غزہ میں دیرپا امن وسکون کی بحالی میں معاون ثابت ہوگا۔ (یوم 7، 9 جون 2026)۔

الفاظ اور افعال کے درمیان یہ واضح تضاد ہمیں ایردگان کے حالیہ بیانات کو ایک مختلف تناظر میں دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔

یہ سب کچھ لازمی طور پر یہودی وجود کے ساتھ براہِ راست تصادم کی آمادگی کی عکاسی نہیں کرتا، بلکہ اس کے بجائے یہ انتہائی غیر مستحکم علاقائی ماحول کو سنبھالنے کی ایک کوشش ہے۔ انقرہ، شام، لبنان اور مشرقی بحیرہ روم میں جاری تبدیلیوں کو واضح تشویش کے ساتھ دیکھ رہا ہے، کیونکہ اسے ادراک ہے کہ علاقائی توازن کی کسی بھی نئی تشکیل سے اس کی حیثیت اور اثرورسوخ براہِ راست متاثر ہوں گے۔ اگر امریکہ اس تنازع کو سنبھالنے میں ناکام رہا تو اسے ایران کے خلاف جنگ کے ممکنہ نتائج کا بھی خوف ہے۔ ساتھ ہی ساتھ، وہ اس بات کو بھی سمجھتا ہے کہ ترک عوام، اسلامی رائے عامہ کے دیگر حصوں کی طرح، غزہ کی جنگ اور یہودی پالیسیوں کو ایک اخلاقی اور سیاسی امتحان کے طور پر دیکھتے ہیں جسے

نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں، داخلی اور خارجی پہلو ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں، اور عوامی جذبات ابھارنے والی بیان بازی غزہ اور لبنان کی حمایت میں فوجی بے عملی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے، بالکل اسی طرح جیسے اس سے قبل شام کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

چنانچہ، یہودی وجود کے خلاف یہ سخت بیان بازی ترک قیادت کو عوامی اسلامی غصے کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت فراہم کرتی ہے اور حریف اسلامی قوتوں کی اس صلاحیت کو محدود کر دیتی ہے کہ وہ مسئلہ فلسطین پر اپنی اجارہ داری قائم کریں، جس پر وہ خفیہ اور اعلانیہ طور پر عمل کرنے میں ناکام ہو رہے ہیں۔ یہ علاقائی مسائل کے محافظ کے طور پر ترکیہ کے امیج کو بھی بہتر بناتا ہے۔ تاہم، یہ لازمی طور پر ان ساختی حقائق کو تبدیل نہیں کرتا جو بین الاقوامی نظام کے اندر ترکیہ کی حیثیت کا تعین کرتے ہیں۔

درحقیقت، غالب امکان یہی ہے کہ خطہ اتحادوں کی وسیع پیمانے پر تنظیمِ نو کے مرحلے کی طرف بڑھ رہا ہے، جو مغربی طاقتوں، بالخصوص امریکہ کو نئے سیکورٹی فارمولے تلاش کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو بڑی علاقائی طاقتوں کو ایک دوسرے کے خلاف مسلسل نبرد آزما چھوڑنے کے بجائے انہیں (نظام میں) سمو سکے۔ ایسی صورت میں سوال یہ نہیں رہ جاتا کہ کیا انقرہ اور تل ابیب کے درمیان آج اختلافات موجود ہیں، بلکہ سوال یہ ہو گا کہ کیا کل "ابراہیمی مشرقِ وسطیٰ" کے پرچم تلے وسیع تر انتظامات کے اندر ان کے مفادات ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں۔

اس تناظر میں، لفظی حملوں کا تبادلہ شاید اتنا اہم نہ ہو جتنا وہ نظر آتا ہے۔ تاریخ ہمیں سکھاتی ہے کہ ریاستوں کے درمیان تعلقات کے مستقبل کا تعین سیاسی شور شرابے کی سطح سے نہیں، بلکہ ان گہرے مفادات کی سمت سے ہوتا ہے جن کی طرف وہ بڑھ رہی ہوتی ہیں۔ اب تک یہ مفادات ترکیہ کے اس نظام سے نکل جانے کی طرف اشارہ نہیں کرتے جس کا وہ حصہ ہے، بلکہ اس کے بجائے اس کے اندر اپنی پوزیشن پر نئے سرے سے سودے بازی کرنے کی کوشش ظاہر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے کسی مرحلے پر ترکیہ اور یہودی وجود کے درمیان مفادات کے ملاپ کا امکان، جنگ کے موجودہ ماحول میں چاہے کتنا ہی بعید از قیاس کیوں نہ لگے، مشرقِ وسطیٰ کے جغرافیائی سیاسی حساب کتاب میں ایک ایسا امکان ہے جسے مسترد نہیں کیا جا سکتا۔

جنوبی کوریا میں پچاس افریقی وزراء کی میزبانی اس کے معاشی اور علاقائی وژن کی عکاس ہے

تحریر: استاد احمد الخطوانی

(ترجمہ)

گزشتہ 2 جون کو جنوبی کوریا کے دارالحکومت سیول میں 50 افریقی ممالک کے وزرائے خارجہ کی موجودگی، جس کا اہتمام کوریائی حکومت نے آزادانہ طور پر کیا تھا، اصولی طور پر ایک اعلیٰ سطح کی سیاسی کامیابی اور سفارتی لحاظ سے واقعی ایک تاریخی واقعہ قرار دی جا رہی ہے۔

جنوبی کوریا-افریقہ کانفرنس صرف جنوبی کوریا کے ساتھ پہلے مشترکہ وزارتی اجلاس میں زیادہ تر افریقی ممالک کے 50 وزرائے خارجہ کی موجودگی تک ہی محدود نہیں تھی۔ وزرائے خارجہ کے علاوہ، اس اجلاس میں کئی اہم افریقی علاقائی تنظیموں جیسے کہ افریقی یونین، افریقی ترقیاتی بینک اور افریقی کانٹی نینٹل فری ٹریڈ ایریا کی نمائندگی کرنے والے وفود کے سربراہان نے بھی شرکت کی۔ یہ کانفرنس "عالمی تبدیلیوں کے درمیان مشترکہ ردعمل کے لیے کوریا-افریقہ شراکت داری" کے عنوان سے منعقد ہوئی۔ جنوبی کوریا کے وزیر خارجہ چو ہیون نے بین الاقوامی نظم میں تیزی سے ہونے والی تبدیلیوں اور اس کے نتیجے میں سپلائی چین (رسد کے سلسلے) میں پیدا ہونے والے خلل اور خوراک و توانائی کے تحفظ کے بارے میں بڑھتے ہوئے خدشات سے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کانفرنس کا افتتاح کیا، جس نے افریقہ کو جغرافیائی سیاسی اور معاشی منظرنامے پر پہلے سے کہیں زیادہ اہم بنا دیا ہے۔

سیول میں افریقی وفود کے اس اجلاس کا مقصد جنوبی کوریا اور افریقی ممالک کے درمیان معاشی تعاون کو مضبوط بنانا تھا، تاکہ عالمی چیلنجوں، خاص طور پر سپلائی چین، توانائی اور غذائی تحفظ سے متعلق مسائل سے نمٹا جا سکے۔ جنوبی کوریا کے وزیر خارجہ چو ہیون نے بیان کیا کہ "یہ اجلاس عالمی سطح پر تیزی سے ہونے والی تبدیلیوں کے وقت منعقد ہو رہا ہے، جب دنیا کو رسد، توانائی اور خوراک سے متعلق کثیر جہتی چیلنجز کا سامنا ہے"۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مشرق وسطیٰ میں جاری عدم استحکام اور آبنائے ہرمز کے گرد بے یقینی کی صورتحال کے پیش نظر، "افریقی ممالک تیزی سے جغرافیائی

سیاسی اور معاشی اہمیت حاصل کر رہے ہیں، جس سے سیول اور افریقی ممالک کے درمیان قریبی تعاون پہلے سے کہیں زیادہ ناگزیر ہو گیا ہے"۔

افریقی شرکاء نے اپنے جنوبی کوریائی ہم منصبوں کے ساتھ تجارت، سرمایہ کاری، سائنس و ٹیکنالوجی، سپلائی چین، موسمیاتی تبدیلی، صحت کی دیکھ بھال، سلامتی اور ترقی سمیت مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔

اس سربراہی اجلاس کے موقع پر افریقی نجی شعبے کے تقریباً 300 نمائندوں، جن میں کاروباری رہنما، اداروں کے نمائندے اور ماہرین شامل تھے، نے سرمایہ کاری کے نئے مواقع، صنعتی تعاون اور سپلائی چین کو مضبوط بنانے پر بات چیت کے لیے جنوبی کوریائی حکام کے ساتھ دوطرفہ ملاقاتیں کیں۔

افریقی براعظم میں جنوبی کوریا کی دلچسپی اس کی توانائی اور معدنی وسائل کی وجہ سے بڑھتی ہوئی اسٹریٹجک اہمیت کے ادراک، اور اس وجہ سے پیدا ہوئی ہے کہ یہ عالمی سطح پر کھلے مقابلے کا ایک بین الاقوامی میدان بن چکا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں عدم استحکام اور آبنائے ہرمز کی بندش سمیت کئی وجوہات کی بنا پر افریقہ کی جغرافیائی سیاسی اور معاشی اہمیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ صورتحال جنوبی کوریا اور افریقی ممالک کے درمیان تعاون کو ایک "فوری ضرورت" بنا دیتی ہے، جیسا کہ چو ہیون نے کانفرنس کے پہلے سیشن کے دوران اپنے افتتاحی خطاب میں کہا تھا، جس میں انہوں نے افریقہ کو "مستقبل کا براعظم" قرار دیا۔ انہوں نے اپنے اس بیان کی بنیاد تین اہم عوامل پر رکھی:

۱۔ اس کی آبادیاتی طاقت، جس میں نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔

۲۔ بحر اوقیانوس اور بحر ہند اور خلیج عدن کے درمیان سمندری راستوں کے سنگم پر اس کا اسٹریٹجک مقام۔

۳۔ مصنوعی ذہانت کے ڈیٹا سینٹرز میں استعمال ہونے والی اہم معدنیات کے اس کے وسیع ذخائر۔

بلاشبہ یہ کانفرنس جنوبی کوریا کی ان کوششوں کا حصہ ہے جن کا مقصد افریقی براعظم میں اپنی موجودگی کو مضبوط بنانا اور معاشی، تجارتی اور سرمایہ کاری کے تعاون کو وسعت دینا ہے۔ وہ آنے والے سالوں میں مزید تقریبات اور سربراہی اجلاس منعقد کرنے پر غور کر رہا ہے، جس میں تجارتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے معدنیات پر ایک اور سربراہی اجلاس، اور دونوں فریقوں کے درمیان اسٹریٹجک شراکت داری کو مزید فروغ دینے کے لیے ۲۰۲۹ میں ایک تیسرا سربراہی اجلاس بھی شامل ہے۔

جنوبی کوریا اس وقت ایک معاشی طور پر ترقی یافتہ ملک ہے، جو چین اور جاپان کے بعد ایشیا کی تیسری بڑی معیشت ہے۔ یہ پیٹنٹ رجسٹریشن (ایجادات کے حقوق کے اندراج) میں چین، امریکہ اور جاپان کے بعد دنیا کا چوتھا بڑا ملک ہے، اور جرمنی، فرانس اور برطانیہ سے آگے ہے۔ مجموعی معاشی حجم کے لحاظ سے یہ عالمی سطح پر تیرہویں نمبر پر آتا ہے۔

عسکری لحاظ سے بھی جنوبی کوریا ایک طاقتور ملک ہے، جس کے پاس مقامی طور پر تیار کردہ چند بہترین میزائل دفاعی نظام موجود ہیں، جو اسے میزائل اور میزائل دفاعی شعبوں میں دنیا کے صفِ اول کے ممالک میں شامل کرتے ہیں، اور اس کا نمبر صرف بڑی طاقتوں کے بعد آتا ہے۔

یہ تمام خصوصیات جنوبی کوریا کو ایک حقیقی بڑی علاقائی طاقت بناتی ہیں۔ اگرچہ یہ چین کے خلاف امریکہ کے ساتھ تعاون کرتا ہے، لیکن یہ روایتی سیاسی معنوں میں امریکہ کی کوئی کٹھ پتلی (سیٹلائٹ) ریاست نہیں ہے۔ اس کے قائدین کسی کے ایجنٹ نہیں ہیں، اور وہاں حکومت کا ایک ایسا نظام موجود ہے جس میں سرمایہ دارانہ ادارے مضبوطی سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان اداروں نے گزشتہ سال منتخب حکومتوں کا تختہ الٹنے کے سابق صدر کے منصوبوں کو ناکام بنا دیا، اور فوج کی حمایت کے باوجود انہیں اقتدار سے بے دخل کر کے غداری کے الزامات میں مقدمے کا سامنا کرنے پر مجبور کیا۔

جنوبی کوریا کی جانب سے حال ہی میں افریقی ممالک کے رہنماؤں کے ساتھ منعقدہ یہ کانفرنس اسے براعظم کے وسائل پر قبضے کی دوڑ میں شامل بڑی طاقتوں کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے۔ یہ اسے چین کے مدمقابل بھی لے آئی ہے، جو اپنے بڑے ترقیاتی منصوبوں کے ذریعے پورے افریقہ میں تیزی سے اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہا ہے، وہ منصوبے جنہیں نہ تو امریکہ اور نہ ہی کوئی دوسرا مغربی ملک روک سکا ہے۔ لہٰذا، امریکہ چین کا مقابلہ کرنے کے لیے جنوبی کوریا کی مدد لینے پر مجبور ہوا ہے۔

اگر جنوبی کوریا افریقہ میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو یہ اس کی مقامی سیاسی سطح سے علاقائی سطح پر منتقلی کی علامت ہو گی، اور شاید مستقبل میں عالمی اثر و رسوخ کے لیے بھی راستہ ہموار کرے۔

عراق کے عوام کی تکالیف کا حل اس کے موجودہ نظام سے نہیں نکلے گا

اے عراق کے مسلمانو: یہ بات حقیقت میں انتہائی افسوسناک ہے کہ عراق جیسا ملک، جو وافر قدرتی وسائل، زرخیز زمین، میٹھے پانی اور باصلاحیت انسانی وسائل سے مالا مال ہے، آج خود کو مالی نااہلی، معاشی زوال، ہمہ گیر غربت اور بے روزگاری کی دلدل میں گھرا ہوا پائے۔ یہ سب کچھ اس کرپٹ نظام کا نتیجہ ہے جو اس پر مسلط کیا گیا ہے اور ان چوروں کی کارستانی ہے جو اس نظام کے محافظ بنے ہوئے ہیں؛ جن کی واحد فکر لوگوں کی دولت اور محنت کو لوٹنے کے منصوبے بنانا ہے، جبکہ وہ اپنے مفادات اور ان ریاستوں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں جن کے وہ تابعِ فرمان ہیں۔

یقیناً، کوئی بھی ذی شعور شخص یہ تصور نہیں کر سکتا کہ ان تکالیف کا کوئی بھی حل اسی نظام سے برآمد ہو سکتا ہے جس نے ان مسائل کو جنم دیا ہے، یا اس کے ان بدعنوان پاسبانوں کے پاس کوئی حل ہو سکتا ہے۔ اس کے بجائے، حل خود امت کے اندر سے نکلنا چاہیے اور وہ ہے اپنے رب سبحانہ و تعالیٰ کی شریعت کی طرف واپسی۔ اسی شریعت میں ان تمام سختیوں کا مکمل مداوا اور شفابخش مرہم موجود ہے، کیونکہ یہ کائنات، انسان اور زندگی کے خالق کی طرف سے عطا کردہ علاج ہے۔

لہٰذا، ہم آپ کو ایک بار پھر اپنے رب کی پکار پر لبیک کہنے کی دعوت دیتے ہیں کہ اس کے نظامِ شریعت کو نافذ کریں، جسے اس سبحانہ و تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے۔ صرف اسی کے ذریعے آپ ایک باوقار زندگی حاصل کر سکتے ہیں اور سرمایہ داری کی اس کرپشن اور لالچ سے نجات پا سکتے ہیں جس نے یہ تمام بحران پیدا کیے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَداً مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾"اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو امن و اطمینان سے تھی، اس کا رزق ہر جگہ سے فراوانی کے ساتھ اس کے پاس پہنچ رہا تھا، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کے بدلے انہیں بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا۔"(سورۃ النحل: آیت 112)

فدان کا علاقائی سیکورٹی ڈھانچہ: مسلم افواج اور دولت کے ذریعے یہودی وجود کے تحفظ کا امریکی منصوبہ!

تحریر: استاد مناجی محمد

(ترجمہ)

ترک وزیر خارجہ ہاکان فدان نے اقتصادی اخبار 'نکی ایشیا'(Nikkei Asia) کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ یہودی وجود کو "بالآخر مشرق وسطیٰ کے ایک نئے علاقائی سیکورٹی ڈھانچے میں ضم کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ 1967 کی حدود میں فلسطینی ریاست کو تسلیم کر لے۔" انہوں نے تعاون کا ایک فریم ورک بنانے کے حوالے سے جسے انہوں نے "تاریخی موقع" قرار دیا، ذکر کیا جس میں ترکیہ، پاکستان، سعودی عرب، مصر اور خلیجی ریاستوں سمیت کئی علاقائی طاقتیں شامل ہوں۔ انہوں نے مزید کہا کہ "اگر مناسب حالات میسر آئے تو مستقبل میں ایران بھی اس فریم ورک میں شامل ہو سکتا ہے۔" فدان نے اس بات کی نشاندہی کی کہ "واشنگٹن اور تہران کے تعلقات میں مسلسل بہتری آ رہی ہے جو غزہ کے لیے امن منصوبے پر بات چیت کو تیز کر سکتی ہے اور پورے خطے کے استحکام میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔"

یہ مغربی استعماری پالیسی کا پرانا اور نیا دونوں رخ ہے اور اسلام کے ساتھ اس کا جاری تہذیبی تصادم ہے، جو اپنے موجودہ امریکی ورژن میں سامنے آ رہا ہے۔ یہ خطے میں مغرب کے سٹریٹیجک مرکز یعنی یہودی وجود کو مضبوط کرنے کی مغرب کی مسلسل کوشش ہے۔ اس یہودی وجود کو ہلا کر رکھ دینے والی حالیہ اتھل پتھل، جس نے اس کی فوجی کمزوری اور سیکورٹی کی نزاکت کو بے نقاب کر دیا ہے، اور ایران پر اپنی جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والی امریکہ کی سٹریٹیجک اور فوجی مشکل صورتحال کے باعث، باوجود اس کے کہ امریکہ غاصب یہودی وجود کی سیکورٹی کا بنیادی ضامن ہے، یہودی وجود کا سیکورٹی بحران شدت اختیار کر گیا ہے۔ اس کی اندرونی سیکورٹی بے نقاب ہو چکی ہے، اور امریکی سیکورٹی چھتری ایک غیر یقینی صورتحال کا شکار ہے۔

امریکہ اور یہودی وجود دونوں کے لیے اس نازک سیکورٹی اور سٹریٹیجک صورتحال میں، ترک وزیر خارجہ ہاکان فدان کی طرف سے تجویز کردہ اسٹریٹجک سیکورٹی پروجیکٹ سامنے آیا۔ جمعرات، 28 مئی کو انہوں نے بیان دیا کہ، "خطے کو

علاقائی تعاون اور ایک علاقائی سیکورٹی ڈھانچے کے قیام کی ضرورت ہے۔" انہوں نے واضح کیا کہ اس کا " آغاز دو یا تین ممالک سے ہو سکتا ہے، لیکن یہ مثالی ہو گا اگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ ایک ایسے ڈھانچے میں بدل جائے جس میں خطے کے زیادہ تر ممالک شامل ہوں، " بشمول ایران اور یہودی وجود کے۔

علاقائی سیکورٹی ڈھانچے کا یہ منصوبہ فدان یا ان کے سربراہ ایردگان کی تخلیق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک بدنیتی پر مبنی اور خطرناک امریکی منصوبے کا عکاس ہے جو کہ ابراہم ایکارڈز (Abraham Accords) کا گویا سیکورٹی جزو ہے۔ اس منصوبے کا مقصد یہودی وجود کو خطے میں ضم کرنا اور خطے کے ممالک کو اس کی سیکورٹی کے دفاع کا پابند بنانا ہے، جبکہ کافر مغرب اور بالخصوص امریکہ کو اس دفاع کے اخراجات اور نتائج سے مستثنیٰ قرار دینا ہے۔ یہ ایک بے مثال سیکورٹی منصوبہ ہے جو اس منحوس یہودی وجود کے دفاع اور سیکورٹی کے تحفظ کی ذمہ داری کافر مغرب اور بالخصوص امریکہ سے منتقل کر کے خطے کی ماتحت ریاستوں پر ڈال دے گا۔ یہ غداری اور سیاسی کینہ پروری کی انتہا ہے کہ مسلمانوں کی افواج کو، جن کے مقدسات کو ذلیل یہودی وجود نے غصب کر رکھا ہے، اسی قابض یہودی وجود کی بقا کا محافظ اور ضامن بنا دیا جائے!

فدان کی جانب سے تجویز کردہ علاقائی سیکورٹی ڈھانچے کا منصوبہ بنیادی طور پر امریکہ کا ایک سیکورٹی پروجیکٹ ہے جس کا مقصد یہودی وجود کی سیکورٹی کی ضمانت دینا اور اسے امریکی اخراجات کے بغیر خطے میں ضم اور مستحکم کرنا ہے۔ یہ ایک ایسے وقت میں سامنے آیا ہے جب امریکہ اپنی تاریخ کے بدترین سٹریٹیجک اور جغرافیائی-سیاسی (جیواسٹریٹجک) بحران سے گزر رہا ہے، جسے اس کے تباہ کن اور فلک بوس قرضوں کے بوجھ نے مزید سنگین بنا دیا ہے۔ اس مجوزہ سیکورٹی منصوبے کا مقصد امریکہ کے بوجھ کو ہلکا کرنا اور اخراجات کو کم کرنا ہے، تاکہ ان لوگوں کے وجود کی حفاظت — یعنی وہ یہودی جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا — خطے کی ریاستوں اور افواج کی ذمہ داری بن جائے، اور اس کے اخراجات مسلم اقوام کی دولت اور وسائل سے پورے کیے جائیں۔ اس سیکورٹی اتحاد کے ذریعے، جس میں یہودی وجود بھی ایک فریق ہے، استعماری مفادات کی آلہ کار ریاستیں سرکاری اور بین الاقوامی سطح پر اس بات کی پابند اور ذمہ دار بن جائیں گی کہ وہ امتِ مسلمہ کے بیٹوں کے خلاف غاصب یہودی وجود کا دفاع کریں۔ بالفاظِ دیگر، مسلمان افواج اپنے ہتھیاروں اور سرمائے کے ساتھ اپنے ان یہودی دشمنوں کی سیکورٹی کی خاطر مسلمانوں ہی سے لڑیں گی جنہوں نے ان کے مقدسات پر قبضہ کر رکھا ہے!

پھر ہاکان فدان کے پیش کردہ اس امریکی سیکورٹی منصوبے میں ایک اور نیا عنصر بھی ہے: اس ڈھانچے میں ایران کی شمولیت اور اسے ایٹمی طاقت کے حامل پاکستان تک وسعت دینا۔ ایران کی شمولیت انتہائی چشم کشا ہے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ اردگان حکومت ایران کو ایک تابع اور فرماں بردار ریاست میں تبدیل کرنے کے امریکی منصوبے میں برابر کی شریک ہے، تاکہ ایران غاصب یہودی وجود کے ساتھ تعلقات معمول پر لائے اور اس وجود کا دفاع کرنے والے مستقبل کے سیکورٹی نظام کا حصہ بن جائے۔ جہاں تک علاقائی سیکورٹی ڈھانچے میں پاکستان کو شامل کرنے کا تعلق ہے، تو اس کا مقصد پاکستان کی ایٹمی صلاحیتوں کو محدود اور یہاں تک کہ مفلوج کرنا ہے، اور اگر یہ ایٹمی طاقت باقی رہے تو اسے یہودی وجود کے خلاف کسی بھی خطرے کو روکنے کے لیے استعمال کرنا ہے، کیونکہ پاکستان اس سیکورٹی منصوبے کا حصہ بن چکا ہوگا جو یہودی وجود کے تحفظ کے لیے وضع کیا گیا ہے۔

غداری اور رسوائی پر مبنی یہ حکومتیں کافر مغربی تہذیبی منصوبے کا ایک لازمی حصہ رہی ہیں اور اب بھی ہیں، جو ہماری سرزمینوں میں نصب کافر مغرب کے اڈوں کے طور پر کام کر رہی ہیں، جبکہ یہ غدار حکمران ان اڈوں کے محافظ اور کافر مغرب کے کارندے ہیں۔ ترکیہ اس کی ایک مثال ہے، اور آج اس کے حکمران کا کردار امریکہ کے استعماری منصوبوں کی خدمت بجالانا ہے۔ عراق، افغانستان، شام، سوڈان، آذربائیجان، لیبیا اور اب ہماری مقبوضہ ارضِ مقدس فلسطین میں بھی یہی صورتحال رہی ہے۔ اردگان کے وزیر خارجہ کی جانب سے علاقائی سیکورٹی ڈھانچے کا اعلان دراصل امریکہ کے سیکورٹی پلان کی تشہیر کا ایک حربہ ہے، جس کا مقصد ماتحت ریاستوں کو غاصب یہودی وجود کی سیکورٹی کا پابند بنانا اور امریکہ کو اس کے بوجھ، اخراجات اور نتائج سے نجات دلانا ہے۔ فدان نے خود اعتراف کیا کہ: "میرا ماننا ہے کہ 'اسرائیل' کی سیکورٹی کو خطے کے ممالک کی طرف سے بھرپور تعاون حاصل ہوگا۔"

اردگان اور اس کے ساتھی اسلام پر وار کرنے اور اس کی امت اور سرزمین پر غلبہ پانے کے کافر مغربی منصوبے کا حصہ ہیں۔ اس کا وزیر خارجہ، فدان، امریکہ کی اس مکارانہ اور خطرناک اسکیم کا معمار ہے جس کے تحت ان مسلمانوں کی افواج اور دولت کے ذریعے غاصب یہودی وجود کا دفاع کیا جائے گا جن کے مقدسات پر قبضہ کیا گیا ہے۔ اس طرح مسلمانوں کی افواج غاصب یہودی دشمن کی سیکورٹی کے تحفظ کے لیے خود اپنی ہی امتِ مسلمہ کے خلاف برسرِپیکار ہوں گی۔ کافر امریکہ نے یہی منصوبہ بنایا تھا، اور انقرہ کے شعبدہ باز، اردگان نے اپنے وزیر خارجہ ہاکان فدان کے ذریعے اس منصوبے پر عمل درآمد کی کوشش کی ہے!

تائیوان: چینی اشتعال انگیزی اور امریکی الجھن کے درمیان

تحریر: استاد نبیل عبد الکریم

(ترجمہ)

ایک ایسے وقت میں جب دنیا یوکرین سے لے کر مشرقِ وسطیٰ تک پھیلی ہوئی جنگوں میں مصروف دکھائی دیتی ہے، چین خاموشی اور تدبر کے ساتھ اکیسویں صدی کے سب سے خطرناک جغرافیائی و سیاسی مرکز یعنی تائیوان کی طرف بڑھ رہا ہے۔

بحرِ تائیوان میں بڑھتی ہوئی فوجی کشیدگی اب محض عارضی مشقیں یا سفارتی دباؤ کا حربہ نہیں رہی، بلکہ یہ عالمی طاقت کے توازن میں ایک گہری سٹریٹیجک تبدیلی کا اشارہ بن چکی ہے۔ بیجنگ ایک ایسی نئی حقیقت مسلط کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو ایک عالمی طاقت کے طور پر اس کے عروج کو مستحکم کرے، جو ایشیا بحر الکاہل کے خطے میں امریکی بالادستی کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

دوسری جانب، واشنگٹن کو ایک پیچیدہ مخمصے کا سامنا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تائیوان کو کھونے کا مطلب مشرقی ایشیا میں اس کے سٹریٹیجک اثر و رسوخ کا زوال ہو گا، لیکن وہ یہ بھی جانتا ہے کہ چین کے ساتھ کسی بھی براہِ راست تصادم سے ایک ایسی عالمی جنگ کا دروازہ کھل سکتا ہے جس کے معیشت اور عالمی نظام دونوں کے لیے تباہ کن نتائج ہوں گے۔

چنانچہ، بڑی طاقتوں کے درمیان غیر اعلانیہ مفاہمتوں کی نوعیت کے بارے میں سوالات بڑھ رہے ہیں، خاص طور پر ٹرمپ کے دور کے دوران، اور یہ کہ آیا تائیوان واقعی واشنگٹن اور بیجنگ کے درمیان بڑے سودوں میں ایک ضمنی سودے بازی کا مہرہ بن چکا ہے، یا یہ چین کو علاقائی اور بین الاقوامی مسائل میں الجھانے اور غرق کرنے کے لیے ٹرمپ کی کوئی چال ہے۔

دنیا کسی حتمی اور فیصلہ کن لمحے سے ابھی بہت دور ہے، یہاں تک کہ عارضی طور پر بھی، کیونکہ ہم اپنے عہد کے خطرناک ترین بحرانوں میں سے ایک کا تجربہ کر رہے ہیں۔

جب بھی چین تائیوان کے گرد مشقیں کرتا ہے، تناؤ بڑھ جاتا ہے اور ہم طاقت کا ایک عارضی مظاہرہ دیکھتے ہیں۔ تاہم، آج ہم ایشیائی نظام کی شکل میں ایک تاریخی تبدیلی کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ چین اب اس جزیرے کو ایک مؤخر شدہ مسئلے کے طور پر نہیں دیکھتا، بلکہ اسے اپنے قومی منصوبے کے مرکزی مسئلے کے طور پر دیکھتا ہے، اور اس کے حل کا وقت قریب آ رہا ہے۔ دریں اثنا، امریکہ تائیوان کے تحفظ کے اپنے عزم میں پہلے سے کہیں زیادہ غیر واضح دکھائی دیتا ہے۔

اول: تائیوان کے حوالے سے حالیہ چینی اشتعال انگیزی کن اشاروں کی حامل ہے؟

حالیہ مہینوں میں چین نے جزیرے کے گرد اپنی بحری اور فضائی مشقوں میں شدت پیدا کر دی ہے، جس میں تائیوان کی فضائی حدود کے قریب کام کرنے والے جہازوں اور طیاروں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ تائپے نے اعلان کیا کہ تائیوان کے قریب بحیرہ اصفر اور بحیرہ جنوبی چین میں چین کے 100 سے زیادہ جنگی جہاز یا کوسٹ گارڈ کے بحری جہاز تعینات ہیں۔ (الجزیرہ، 23 مئی 2026)۔

تائیوان کے چھوٹے جزائر کے گرد مسلسل بحری دباؤ کی کارروائیوں کے علاوہ، چین کا مقصد محض فوجی دھمکی سے بڑھ کر نظر آتا ہے؛ اسے تین سطحوں پر سمجھا جا سکتا ہے:

1۔ **بتدریج ناکہ بندی کا نفاذ:** یعنی تائیوان کے گرد چینی فوجی موجودگی کو معمول بنانا، تاکہ جزیرہ نفسیاتی اور فوجی طور پر محاصرے میں آ جائے۔

2۔ **تائیوان کے عزم کو کمزور کرنا:** چین سمجھتا ہے کہ جنگیں ہمیشہ حملے کے ذریعے نہیں جیتی جاتیں، بلکہ بعض اوقات تائیوان کی اپنی صلاحیت اور اس کے اتحادیوں کی حفاظت کرنے کی صلاحیت پر عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچا کر جیتی جاتی ہے۔

3۔ **امریکہ کے اصل موقف کا امتحان:** چین یہ جاننا چاہتا ہے کہ اگر بحران انتہائی نازک موڑ پر پہنچ گیا تو امریکہ تائیوان کے دفاع کے لیے اصل میں کس حد تک جائے گا۔

اس لیے بہت سے تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ چین ایک مہنگے براہِ راست حملے کے بجائے آہستہ آہستہ گلا گھونٹنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ وہ ہر ایک کے ارادوں کو بے نقاب کرنے کے لیے بھی کام کر رہا ہے۔

دوسرا: اس اشتعال انگیزی کے بعد امریکی فضا کیسی ہے؟

امریکہ کے اندر، تائیوان کے معاملے پر واضح الجھن پائی جاتی ہے۔ امریکہ اب بھی باضابطہ طور پر موجودہ صورتحال (سٹیٹس کو) میں کسی بھی زبردستی تبدیلی کو مسترد کرنے کا اعلان کر رہا ہے، لیکن یہ واضح نہیں ہے کہ آیا وہ اس معاملے پر چین کو کوئی رعایت دے رہا ہے، یا وہ چین کو تائیوان کے تنازعے میں الجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس دوران تائیوان کے لیے تشویشناک علامات سامنے آئی ہیں، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

- مشرقِ وسطیٰ سے متعلق دیگر فوجی ترجیحات کی وجہ سے تائیوان کے ساتھ امریکہ کے ہتھیاروں کے کچھ سودوں کے منجمد ہونے یا ان میں سستی آنے کی اطلاعات ہیں۔ ایک امریکی فوجی اہلکار نے بتایا کہ ایران کے ساتھ اپنی جنگ کے لیے گولہ بارود کو محفوظ رکھنے کی خاطر تائیوان کو 14 بلین ڈالر کے ہتھیاروں کی فروخت روک دی جائے گی۔ (الجزیرہ، 22 مئی 2026)۔
- خود ٹرمپ نے تائیوان کے حوالے سے کاروباری رنگ کی زبان استعمال کی، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہتھیاروں کے سودے چین کے ساتھ سودے بازی کا ایک مہرہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ (رائٹرز، 19 مئی 2026)۔
- موجودہ امریکی انتظامیہ چین کے ساتھ جنگ چھیڑنے کے بجائے اسے روکنے میں زیادہ دلچسپی رکھتی معلوم ہوتی ہے، اور ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیا چھپا رہے ہیں؛ کیونکہ عیاری ان کی فطرت کا حصہ ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ امریکیوں نے تائیوان کا ساتھ چھوڑ دیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ضرور ہے کہ فی الوقت امریکہ کی ترجیح اس تنازعے کو اس طرح سنبھالنا بن گئی ہے کہ بیجنگ کے ساتھ کسی بڑے تصادم کی نوبت نہ آئے۔

تیسرا: کیا تائیوان کے حوالے سے ٹرمپ اور چین کے درمیان کوئی ڈھکا چھپا معاہدہ تھا؟

آج تک کسی ایسے خفیہ معاہدے کا کوئی سرکاری ثبوت نہیں ملا جو چین کو تائیوان کے الحاق کی اجازت دیتا ہو، لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ اس جزیرے کا مسئلہ اب دونوں ممالک کے درمیان وسیع تر سودے بازی کا حصہ بن چکا ہے۔

چینی صدر کے ساتھ ٹرمپ کی ملاقاتوں کے دوران، تائیوان کا مسئلہ بھرپور طریقے سے اٹھایا گیا اور چینی جانب سے شدید دباؤ ڈالا گیا، جس کا واحد نتیجہ جو سامنے آیا وہ تائیپے کے لیے امریکی فوجی امداد کی معطلی تھی۔ (الجزیرہ، 23 مئی 2026)۔

مسئلہ یہ ہے کہ ٹرمپ خارجہ پالیسی کو روایتی نظریاتی اتحادوں کے بجائے تجارتی لین دین کے نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ صورتحال قدرتی طور پر تائیوانیوں کے لیے پریشان کن ہے، کیونکہ انہیں احساس ہو رہا ہے کہ ان کا مستقبل چین اور امریکہ کے درمیان ہونے والے معاشی، حفاظتی اور فوجی معاہدوں میں سودے بازی کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے۔

تاہم، کچھ ایسی گہری رکاوٹیں موجود ہیں جو امریکہ کو تائیوان کو مکمل طور پر تنہا چھوڑنے سے روکتی ہیں۔ ان میں چین کی روک تھام (کنٹینمنٹ) کے حوالے سے اس جزیرے کی سٹریٹیجک اہمیت، عالمی سیمی کنڈکٹر کی صنعت میں اس کا کلیدی کردار، امریکی کانگریس کے اندر تائیوان کی حمایت میں پایا جانے والا دباؤ، اور واشنگٹن کا یہ خوف شامل ہے کہ تائیوان کے زوال سے اس کے ایشیائی اتحادیوں، جیسے جنوبی کوریا اور جاپان کا اعتماد متزلزل ہو جائے گا۔

اس بنا پر، امریکہ ایک ایسے طویل اور پیچیدہ عبوری مرحلے کو مینیج کرنے کی کوشش کر سکتا ہے جو جنگ کو روکے رکھے، فیصلہ کن نتیجے کو التواء میں ڈالے اور تائیوان کی چین میں واپسی کو ایک طویل عرصے کے بعد ایک قدرتی عمل کے طور پر ممکن بنا دے۔

چوتھا: کیا تائیوان کی چین میں واپسی اب محض وقت کی بات ہے؟

چین تائیوان کے دوبارہ اتحاد کو محض ایک سیاسی انتخاب نہیں سمجھتا، بلکہ اسے مغرب کے ہاتھوں ایک صدی کی تذلیل کے بعد چین کے تاریخی وقار کی بحالی کا حصہ قرار دیتا ہے۔ اس لیے، جزیرے کا یہ مسئلہ ایک ایسا ہدف ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا، چاہے اس کے حصول میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگ جائے۔ لیکن تائیوان کی واپسی کئی وجوہات کی بنا پر آسان نہیں ہے، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

- تائیوانی معاشرے نے چین سے الگ اپنی ایک منفرد سیاسی شناخت قائم کر لی ہے۔
- کسی بھی براہِ راست حملے کے نتیجے میں ایک تباہ کن علاقائی جنگ چھڑ سکتی ہے۔
- اگر تائیوان کی سیمی کنڈکٹر فیکٹریاں بند ہو جائیں، تو عالمی معیشت کو ایک بہت بڑا دھچکا لگے گا۔
- جاپان اور امریکہ کو یہ خوف لاحق ہے کہ تائیوان کے زوال سے مغربی بحر الکاہل پر چین کا مکمل غلبہ ہو جائے گا۔

تاہم، طاقت کا توازن اب چین کے حق میں بدل رہا ہے، خاص طور پر چین کی بڑھتی ہوئی بحری فوجی طاقت اور کھلی جنگ میں شامل ہونے کے لیے امریکہ کی کم ہوتی ہوئی آمادگی کے باعث، جو کہ اس کی موجودہ داخلی تقسیم کا نتیجہ ہے۔

تائیوان کا بحران آج محض چین اور اس باغی جزیرے کے درمیان کوئی سرحدی تنازعہ نہیں ہے؛ بلکہ یہ پورے عالمی نظام کے مستقبل کے لیے ایک بڑا امتحان ہے۔ امریکہ کو ایک تاریخی مخمصے کا سامنا ہے: یا تو وہ تائیوان کا دفاع کرے اور چین کے ساتھ ایک بڑی جنگ کا خطرہ مول لے، یا پھر چین کی قیادت میں ابھرنے والے ایک نئے ایشیائی نظام کو بتدریج قبول کر لے۔ بین الاقوامی نظام میں آنے والی یہ گہری تبدیلیاں ظاہر کرتی ہیں کہ وہ دنیا، جو سرد جنگ کے بعد مطلق امریکی بالادستی کے زیرِ اثر ابھری تھی، اب اثر و رسوخ کی دوبارہ تقسیم کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔ ایسی نئی طاقتیں ابھر رہی ہیں جو روایتی مغربی مرکز کو سیاسی، معاشی اور فوجی طور پر چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

انہی تبدیلیوں کے دوران، ایک نئی بین الاقوامی طاقت کا ظہور ہو سکتا ہے۔ وہ واحد قوت جو انتہائی تیزی کے ساتھ چوٹی تک پہنچنے اور ایک ابھرتی ہوئی ریاست سے ایک عالمی طاقت میں تبدیل ہونے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے، وہ "نبوت کے نقشِ قدم پر خلافتِ راشدہ" کی واپسی ہے۔

مغرب اس واپسی کے اثرات اور مضمرات کو بخوبی سمجھتا ہے کیونکہ خلافت ہی وہ واحد طاقت ہے جو امریکہ کے تکبر اور اس کے سرمایہ دارانہ نظریے کا خاتمہ کرنے، چین کو اس کے اصل سائز پر واپس لانے، اور اس پورے روئے زمین پر عدل و انصاف اور روشنی پھیلانے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ کی اس بشارت کی عملی تصویر ہوگی جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: **«إِنَّ اللَّهَ زَوَى لِي الْأَرْضَ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا»** "بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا، اور یقیناً میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین میرے لیے سمیٹی گئی"۔

جنوبی یمن میں عوامی احتجاج: عوام پر ظلم و ستم جاری رکھنے والے حکمرانوں کی پالیسیوں کا نتیجہ

تحریر: استاد ابو بکر الجبلی – ولایہ یمن

(ترجمہ)

یمن میں المناک واقعات زندگی کے تمام پہلوؤں میں بدتر ہوتے جا رہے ہیں، لیکن بنیادی خدمات کی عدم دستیابی لوگوں کی روزمرہ کی زندگی اور معاش پر براہ راست اور شدید اثرات مرتب کر رہی ہے۔ بجلی کی طویل بندش کے باعث عدن کے بہت سے رہائشی گرمیوں کی تپتی ہوئی تپش سے بچنے کے لیے فٹ پاتھوں اور کھلی سڑکوں پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بہت سے خاندانوں کے لیے ان کے گھر ناقابل برداشت حد تک گرم ہو چکے ہیں، اور المعلیٰ، صیرہ اور کرایٹر کے

اضلاع میں سڑکوں پر سوتے ہوئے لوگوں کا منظر اب ایک عام سی بات بن گئی ہے، جو کہ عوام کی روزافزوں بڑھتی ہوئی تکلیفوں کی عکاسی کرتا ہے۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر، 10 جون 2026 کی شام کو مظاہرین نے عدن کے معاشیق محل کی طرف جانے والی سڑک کو بند کر دیا، اور بجلی کی مسلسل بندش اور گرتی ہوئی خدمات کے خلاف احتجاج کیا۔ درجنوں افراد نے سڑک بلاک کر کے اور ٹائر جلا کر احتجاج کیا تاکہ شدید گرمی کی لہر کے دوران بجلی کی غیر معمولی لوڈ شیڈنگ پر اپنے غصے کا اظہار کیا جا سکے۔ سرکاری حکومت کے زیرِ کنٹرول دیگر علاقوں میں بھی صورتحال کچھ ایسی ہی ہے۔

حوثیوں کے زیرِ قبضہ علاقے بھی ابتر حالات کا شکار ہیں کیونکہ وہ ان علاقوں کے حوالے سے اپنی کسی بھی ذمہ داری کو پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ وہ مسلسل جاری 'جارحیت' کا بہانہ بنا کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایک ایسی اتھارٹی ہیں جو خدمات فراہم کرنے کی پابند نہیں ہے۔ زیادہ تر لوگ بجلی کے لیے نجی مالکان کے جنریٹروں پر انحصار کرتے ہیں، جن سے بھاری قیمتیں وصول کی جاتی ہیں اور یہ عوام کی تکالیف کی قیمت پر حکمرانوں کے لیے فنڈز جمع کرنے کا ایک ذریعہ بن گئے ہیں۔

یمن کے عوام کی تکالیف ہمہ گیر ہیں، قطع نظر اس کے کہ ان پر کس کا کنٹرول ہے، اور مختلف نعروں اور بینرز کے باوجود ان کی حقوق سے محرومی ایک جیسی ہے۔

پورے یمن میں خدمات کا خاتمہ، وبائی امراض کا پھیلاؤ اور انتہائی غربت، شدید گرمی کے دوران بجلی کے شعبے کی بنیادی ضرورتیں بھی فراہم کرنے میں نااہلی، اور لازمی خدمات کی نجکاری، اب محض انتظامی کوتاہیاں یا عارضی تکنیکی غلطیاں نہیں رہیں۔ یہ اس بنیادی جرم کا ناگزیر نتیجہ ہیں جو عالمی سرمایہ دارانہ نظام نے سرزد کیا ہے، جو بنیادی انسانی حقوق کو ایسی اشیاء کے طور پر دیکھتا ہے جو سیاسی سودے بازی اور قوموں کی لوٹ مار کے لیے نجکاری کے تابع ہیں۔

بجلی کسی بھی ملک کی معاشی استحکام کی شہ رگ اور سنگِ بنیاد ہوتی ہے۔ ریاست اور حکومتی اداروں کا یہ بنیادی فرض اور حتمی ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی خدمت اور اہم شعبوں کو فعال رکھنے کے لیے اس کو یقینی بنائیں اور برقرار رکھیں۔

یہ المناک منظر ان آفات کے سلسلے میں ایک اور اضافہ ہے جو یمن کے عوام پر زندگی کے ہر پہلو میں نازل ہوئی ہیں۔ بجلی کی بگڑتی ہوئی صورتحال، اور اس کے نتیجے میں گرمی سے بچنے کے لیے لوگوں کا سڑکوں پر نکل آنا، مدد کی ایک ایسی دہائی

ہے جس کا حکام کو بجلی کی فراہمی اور بحالی کے ذریعے فوری جواب دینا چاہیے، چاہے اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔ تاہم، عدن میں حکام نے عوام کو دبانے کے لیے اپنی سیکورٹی فورسز تعینات کر کے جواب دیا!

اندھیرے گھروں کی جھلساتی گرمی سے بھاگ کر سڑکوں پر اُمڈ آنے والے لوگوں کا یہ منظر، اور محض سیکورٹی کے نام پر متحرک حکومت کا شرمناک رویہ، ایک وحشی سرمایہ دارانہ نظریے کی اپنے عوام کی دیکھ بھال کرنے میں نااہلی کو مکمل طور پر بے نقاب کرتا ہے۔ لاکھوں لوگوں کو ان کے گھروں اور سڑکوں پر سسک سسک کر مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے، جبکہ کٹھ پتلی حکمران اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں عیش و آرام کر رہے ہیں۔

آج یمن کی یہ تلخ حقیقت، جہاں شدید گرمی کے موسم میں شہروں اور قصبوں کو مکمل اندھیرے میں دھکیل دیا گیا ہے، یمن کے ان حکمرانوں کی بے لگام بدعنوانی کو ظاہر کرتی ہے جو غیر ملکی طاقتوں کے غلام بن چکے ہیں۔ ان حکمرانوں نے علاقائی اور بین الاقوامی طاقتوں کے ایجنڈوں کی تکمیل کے لیے یمن کے باقی ماندہ بنیادی ڈھانچے اور اہم تنصیبات کو جان بوجھ کر تباہ کر کے اپنے مفادات کو ترجیح دی ہے۔ یمن کے لاکھوں مسلمان شدید مصائب کا شکار ہیں، اور پانی اور بجلی جیسی بنیادی خدمات اور بنیادی انسانی حقوق فراہم کرنے کے حوالے سے حکومتی ذمہ داری کا کہیں نام و نشان تک نہیں۔ حکمران ان خدمات کو ریاست کی طرف سے شرعی ذمہ داری اور لازمی ضرورت سمجھنے کے بجائے ایسی اشیاء سمجھتے ہیں جو نفع و نقصان اور سیاسی سودے بازی کے تابع ہوں۔

یمن میں عوامی خدمات کی ابتر حالت اور بنیادی ڈھانچے کی دانستہ بدانتظامی محض اتفاقیہ نہیں، بلکہ یہ ایک نہایت مہارت سے تیار کی گئی صورتحال ہے۔ برسرِپیکار دھڑے اس صورتحال کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں، خاص طور پر ان علاقوں میں جو نام نہاد "سرکاری" حکومت کے زیرِ کنٹرول ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ احتجاج کے لیے سڑکوں پر نکلتے ہیں، لیکن جنگجو پارٹیاں ان مظاہروں کو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ حوثیوں کے زیرِ کنٹرول علاقوں میں، اگر سیکورٹی فورسز کا آہنی ہاتھ اور احتجاج پر سخت پابندی نہ ہوتی، تو چوک اور میدان مظاہرین سے بھرے ہوتے جو ان واضح ناگفتہ بہ حالات پر اپنے غصے کا اظہار کرتے۔

جنوبی یمن میں ریاض اور ابوظہبی کے گھناؤنے اقدامات، جو ایک دوسرے کے خلاف بحرانوں کو ہوا دے رہے ہیں، واشنگٹن اور لندن میں موجود اپنے آقاؤں کی خدمت کا محض ایک باب ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ علاقائی مہرے عارضی حل کے ساتھ مداخلت کرتے ہیں اور کٹھ پتلی حکمرانوں کی وفاداریاں خریدتے ہیں، جبکہ بجلی کے بحران کو اپنے استعماری

منصوبے کی تکمیل کے لیے ایک ہتھیار اور مذموم حربے کے طور پر برقرار رکھتے ہیں۔ وہ اسے ایک سیاسی مہرے کے طور پر استعمال کرتے ہیں تاکہ عوام کو اپنی مرضی کے مطابق ہانک سکیں۔

ایک طرف جہاں امریکہ ملک کے شمال میں حکمرانوں کو بااختیار بنانے اور وہاں ان کے مخالفین پر گھیرا تنگ کرنے کے لیے اپنے مہروں کو آگے بڑھا رہا ہے، وہیں دوسری طرف وہ عدن میں مالیاتی اور اقتصادی فیصلے کرنے کے اختیارات پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے، تاکہ وہ عدن، حضرموت، مآرب اور مغربی ساحل میں برطانوی ایجنٹوں کو کچلنے کے قابل ہو سکے۔ امریکی استعماری رسوخ کا یہ دخول امریکی ایجنسی برائے بین الاقوامی ترقی (USAID) کے پروگراموں کی شمولیت، اور عدن کے مرکزی بینک کی راہداریوں میں امریکی محکمہ خزانہ اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) کے احکامات کو منوانے سے بالکل واضح ہے! امریکی تکبر یہیں نہیں رکا، بلکہ اس نے برطانیہ کے 'فارن، کامن ویلتھ اینڈ ڈویلپمنٹ آفس' کے اثر و رسوخ کو محدود کرنے اور اسے بے دخل کرنے کی کوشش کی، جس کے لیے اس نے برطانویوں کے تاریخی علاقائی ایجنٹ ابوظہبی کے کردار کو کم کر دیا اور اس کی جگہ ریاض کی حکومت کو دے دی جو کہ امریکی منصوبوں کی سرگرم خادم ہے، اور جو مقامی اور غیر ملکی فوجی دستوں کو استعمال کر کے ملک کے تیل والے علاقوں اور اہم اسٹریٹجک بندرگاہوں پر گرفت مضبوط کر رہی ہے۔

ان لچکدار علاقائی مہروں اور ان کے ماتحت مقامی سیاسی محاذوں نے کب یمن اور اس کے عوام کے لیے کوئی بھلائی پیدا کی ہے؟ یمن پر قبضے کے لیے یہ امریکی-برطانوی استعماری کشمکش، جو اب اپنی چھٹی دہائی میں داخل ہو چکی ہے، ملک کے اہم مفادات کی قیمت پر لڑی جا رہی ہے، جس نے یمن کے وسائل کو نچوڑ لیا ہے اور اس کی دولت کو اس طرح ضائع کیا ہے کہ اب یمن کے پاس عملاً نہ کوئی معیشت ہے، نہ امید افزا تعلیم، نہ صحت کی دیکھ بھال، اور نہ ہی کوئی امن و امان!

یمن کا تیل، گیس اور قدرتی وسائل اسلامی شریعت کے مطابق بنیادی طور پر عوامی ملکیت ہیں۔ ان کا مقصد اصل میں امت کی ضروریات کو پورا کرنا اور توانائی کی تنصیبات کو فعال کرنا تھا تاکہ شہریوں کو ایک باوقار زندگی فراہم کی جا سکے۔ تاہم، ان غلام صفت حکمرانوں نے استعمار کے ساتھ اپنی اندھی وفاداری کے باعث مقامی پیداوار کو منجمد کرنے، خدماتی سہولیات کو معطل کرنے اور ملک کو قرضوں اور محتاجی کی دلدل میں دھکیلنے کا انتخاب کیا۔ ان کی شرمناک غلامی کے دو چہرے ہیں: ایک کا رخ لندن کی طرف ہے اور دوسرے کا واشنگٹن کی طرف، اور انہیں ملک کے ان شہریوں کی تکالیف کی کوئی پرواہ نہیں جو موسم گرما کی تپتی ہوئی تپش اور رات کے اندھیرے برداشت کر رہے ہیں۔

اے یمن کے لوگو! آپ کی تکالیف کا سبب معلوم ہے: سرمایہ دارانہ نظام اور وہ لوگ جو اسے برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ، انہیں ہٹانا ضروری ہے اور ایک ایسی ریاست قائم کرنا لازم ہے جو آپ کے معاملات کو اسلام کے مطابق چلائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**كُلُّكُمْ رَاعٍ، وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ**» "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (ماتحتوں) کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" [مسلم]

آپ کی تمام تکالیف کا حل نبوت کے طریقے پر خلافتِ راشدہ کے تحت اسلام کے سچے حکمرانی کے نظام کی طرف واپسی میں ہے، جسے قائم کرنے کے لیے حزب التحریر کام کر رہی ہے، تاکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس وعدے کی تکمیل ہو سکے جس نے فرمایا: ﴿**وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً**﴾ "تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ہیں اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں اسی طرح خلافت (اقتدار) عطا فرمائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی، اور ان کے لیے ان کے اس دین کو مستحکم کر دے گا جسے اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے، اور ان کے خوف کی حالت کے بعد اسے امن سے بدل دے گا۔" [سورۃالنور:55]

ہمیں اپنے بچوں میں کفر کے سرکردہ لیڈروں: امریکہ اور برطانیہ کے خلاف دشمنی پیدا کرنی چاہیے

آلِ سعود کی سلطنت اور متحدہ عرب امارات کے درمیان اپنے واشنگٹن اور لندن کے آقاؤں کی خدمت گزاری میں شرمناک باری باری کا بدلنا اب سب پر عیاں ہو چکا ہے۔ اس لیے اہلِ یمن پر لازم ہے کہ وہ انہیں اور ملک کی انتظامی و حفاظتی قیادت میں موجود ان کے مقامی پیروکاروں کو مسترد کر دیں، جن پر وہ (آقاؤں کی طرف سے) حرام دولت نچھاور کرتے ہیں تاکہ وہ عوام پر کوڑے کے طور پر استعمال ہوں۔

اے یمن کے ہمارے لوگو: تمہاری تکالیف کا موثر علاج اور تمہارے مسائل کا حل آلِ سعود کے حکمرانوں کی پیروی میں نہیں ہے، جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن امریکہ کے مفادات کے لیے کام کرتے ہیں۔ اور نہ ہی یہ متحدہ عرب امارات کے حکمرانوں کی حمایت میں ہے، جو برطانویوں کے پروردہ ہیں، جنہوں نے ہماری سرزمینوں کو نوآبادی بنایا، ہماری دولت لوٹی اور ہماری خلافت کو تباہ کیا۔

ہمیں اپنے بچوں کی پرورش کفر کے سربراہوں امریکہ، برطانیہ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے تمام لوگوں کی دشمنی پر کرنی چاہیے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق، واحد شرعی حل یہ ہے کہ آپ پر ہر صورت اور ہر علامت میں مسلط کردہ سرمایہ دارانہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے، اس کے ایجنٹ حکمرانوں کو ہٹا دیا جائے، اور نبوت کے نقشِ قدم پر 'دوسری خلافتِ راشدہ' کے قیام کے ذریعے اسلامی طرزِ زندگی کا از سرِ نو آغاز کیا جائے۔ یہ ایک ایسی ریاست ہوگی جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکمرانی کرے گی، لوگوں کے معاملات کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق چلائے گی، اور دنیا تک اسلام کا پیغام (رسالت) پہنچائے گی، تاکہ امت کی دولت کا فر استعمار کے بجائے ایک بار پھر خود اس کے اپنے لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ یہ وہی ریاستِ خلافت ہے جسے قائم کرنے کے لیے حزب التحریر تگ و دو کر رہی ہے۔ حزب کا کہنا ہے کہ اس نے اس مقصد کے لیے مستقبل کے مدبرین (سٹیٹس مین) کی ایک کھیپ تیار کر لی ہے اور نفاذ کے لیے ایک مکمل دستور بھی تیار ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں کی تنظیم کرتا ہے اور قرآنِ کریم و سنتِ نبوی سے ماخوذ ہے۔ لہٰذا، ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ اس عظیم شرعی فریضے کی ادائیگی کے لیے ہمارے ساتھ مل کر کام کریں۔